ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

۱۷/ اکتوبر ۹۵ء

☆ ملی یکجہتی کونسل یا سیاسی اتحاد؟ : تجزیہ

☆ تنظیمِ اسلامی کیا ہے' کیا نہیں؟ ایک یادگار تحریر

☆ مذاکرات' محاصرے اور ہڑتالیں' آخر کب تک؟ : مکتوبِ کراچی

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

صدر مملکت نے اعتراف کیا ہے کہ پولیس بھتہ وصول کرتی ہے اور تھانے بکتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات انہوں نے کراچی کی صورتحال پر اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہی ہے تاہم یہ برائی ملک کے ہر صوبے اور ہر ضلع میں پائی جاتی ہے' کہیں کم اور کہیں زیادہ۔ البتہ اس سے مبرا کوئی علاقہ نہیں۔ جس ملک میں عدل و انصاف کے نظام کی بنیاد پولیس ہی کی تفتیش ہو اور پولیس کے بدعنوان اور بددیانت ہونے کی گواہی خود اس ملک کا سربراہ دے' وہاں انصاف کیسے ممکن ہے!! ہمارے ہاں مقدمات کی سماعت جس نظام کے تحت ہوتی ہے اس میں ایف آئی آر (FIR) اور شہادت اہم ہی نہیں بلکہ بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ اور ان دونوں میں شروع سے آخر تک پولیس کا بہت عمل دخل رہتا ہے۔ ایف آئی آر لکھنے والے پولیس اہلکار کے پیشہ ورانہ فن کا کمال ہی یہ ہے کہ وہ رپورٹ ایسی ترتیب دے کہ عدالت سے مقدمے کا فیصلہ وہی صادر ہو کر رہے جو مطلوب تھا۔ اور اگر کوئی تھوڑا بہت جھول رہ بھی جائے تو شہادت کے ذریعے اسے دور کردے۔ حال ہی میں میر مرتضیٰ بھٹو دو سال بعد ظہور الٰہی قتل کیس سے بری کردیئے گئے۔ یہ کوئی معمولی نوعیت کا کیس نہ تھا۔ ملزم معروف و مشہور اور جرم سنگین ترین۔ بری اس لئے ہوئے کہ استغاثہ کی طرف سے گواہوں کے جتنے بھی بیانات عدالت میں پیش کئے گئے وہ تمام کے تمام فوٹو کاپیوں پر مشتمل تھے جبکہ ان کا تصدیق شدہ ہونا ضروری تھا۔ تین چشم دید گواہ اپنے بیانات سے منحرف ہوگئے۔ باقی گواہوں نے اپنے بیانات میں ملزموں کو نامزد نہیں کیا تھا۔ یہ وجہ بھی براءت کا باعث بنی کہ ملزم کو وقوعہ کے کافی عرصے بعد گرفتار کیا گیا اور مقدمہ کے مدعی نے ملزم کو شناخت ہی نہیں کیا تھا۔ عدالت کا فیصلہ سنتے ہی ملزمان کے علاوہ ایف آئی آر ترتیب دینے والا پولیس اہلکار بھی بغلیں بجا رہا ہوگا۔ اس لئے کہ وہ بہرصورت کامیاب رہا۔ اگر تو ملزمان واقعی مجرم تھے تو اس نے مقدمے کی بنیاد میں ایسے خلا رکھ دیئے کہ ملزمان کو بالآخر بری کرنا ہی پڑا۔ اور اگر مقدمہ جھوٹا تھا تو ملزمان کو دو سال کا رگڑا تو لگوا ہی دیا۔ یہ ہے نظام عدل کے ستون اول "پولیس" کی صورتحال۔

اس نظام کا دوسرا بلکہ اہم ترین ستون عدالت ہے۔ عدل و انصاف کے میدان میں عدالت کا احترام اور اس کے وقار کا لحاظ از حد ضروری ہوتا ہے' مگر ہماری سیاسی حماقتوں نے اسے بھی ختم کردیا ہے۔ ملک کی دو بڑی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک نے ہائی کورٹ کے احاطے کے باہر جلوس بھیج کر ججوں کے خلاف وہ نعرے بازی کرائی کہ الامان والحفیظ۔ دوسری سیاسی پارٹی کے سربراہ نے ہائی کورٹ کے ججوں کے بارے میں بیان دیتے ہوئے ان میں سے بعض کے کردار سے متعلق ایسے نازیبا الفاظ کہے کہ جو عمومی تہذیب کے معیار سے بھی گرے ہوئے تھے۔ ان سیاسی اکابرین نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ان کی تعصباتی آگ اس رہے سہے اعتماد کو بھی بھسم کردے گی جسے عوام اور عدالت کے مابین انصاف کے حصول کی ضمانت کے لئے بحال رکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں عدالتوں کی طرف رجوع بامر مجبوری ہی کیا جاتا ہے۔ اگلے روز ایک سفید پوش شہری نے ہم سے شکایت کی کہ وہ دو سال سے ایک سرکاری محکمے کے ہاتھوں نہایت بے انصافی اور زیادتی کا شکار ہے۔ چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ شکایت کنندہ کا موقف یکسر درست ہے۔ ہم نے مشورہ دیا کہ عدالت عالیہ سے رجوع کریں' آپ اپنی رقم کے علاوہ کم از کم دس لاکھ کا تاوان بھی طلب کرسکتے ہیں۔ بولے 'کون عدالتوں کے چکر میں پڑے۔ یہ ہے عدل و انصاف کے علمبردار اداروں پر عدم اعتماد کی کیفیت کہ جس نے وطن عزیز میں باعزت زندگی بسر کرسکنے کا بھرم ختم کردیا ہے۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

قیمت : ۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الھدیٰ

پس قبول کی ان کی دعا ان کے رب نے

(وہ سلیم الفطرت لوگ جن کے ایمان کی یہ شان بیان ہوئی کہ اپنی عقل و فطرت کی صحت و سلامتی کے باعث انہیں حق کو پہچاننے میں لحظہ بھر کا تردد بھی نہیں ہوتا اور وہ نہ صرف یہ کہ لبیک کر نبیؐ کی دعوت کو قبول کرتے اور ایمان لے آتے ہیں بلکہ ہر دم اللہ کا ذکر کرتے اور آخرت کی کامیابی کے لئے اپنے پروردگار کے حضور دست بدعا رہتے ہیں' انہیں نوید ہو کہ ان کی کوئی عرضداشت بارگاہ الٰہی سے ناکام نہیں لوٹائی گئی ع "اجابت از در حق بہر استقبال می آید")

کہ میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت کو ضائع نہیں کرتا' خواہ مرد ہو یا عورت' تم آپس میں ایک ہو

(راہ حق میں ان کا یہ عقلی و فکری سفر اور پھر دین حق کے لئے ان کی قربانیاں رائیگاں جانے والی نہیں۔ یہ محنت جو ہر ہر فرد بشر سے مطلوب ہے' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' ضائع کیونکر کی جائے گی! یہی تو متاع زیست ہے' اللہ اسے ہرگز ضائع نہیں کرے گا)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی' اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں' میں لازماً ان سے ان کی برائیاں دور کردوں گا اور انہیں داخل کروں گا ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں۔

(کہ وہ اصحاب ایمان و یقیں جو فقط تسبیح و مناجات کے حصار میں محصور نہیں ہو گئے بلکہ ذکر و اذکار کے اہتمام کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں دین حق کے غلبہ کے لئے ان کی قربانیوں اور ایثار کا یہ عالم ہے کہ گو راہ حق میں انہیں ہر نوع کی اذیتیں پہنچائی گئیں یہاں تک انہیں اپنے مال و منال' گھر بار حتیٰ کہ وطن تک کو خیرباد کہنا پڑا لیکن اپنے پائے ثبات میں انہوں نے لرزش تک نہ آنے دی' ان سے اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ ان کی خطاؤں سے درگزر کرتے ہوئے انہیں لازماً اس جنت فردوس میں جگہ دے گا جو اسی نوع کے اہل تقویٰ کے لئے تیار کی گئی ہے)

یہ بدلہ ہے اللہ کی طرف سے' اور اللہ کے پاس ہے عمدہ بدلہ○

(یہ ان کے اعمال کی جزا اور ان کی محنت کا صلہ ہے جو انہیں ان کے رب کی طرف سے ملے گا' اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اللہ سے بہتر بدلہ کوئی نہیں دے سکتا)

(سورہ آل عمران' آیت ۱۹۳ اور ۱۹۴)

جوامع الکلم

بہترین ہجرت یہ ہے کہ تم ہر اس چیز کو ترک کرو جو تمہارے رب کو پسند نہیں!

(گو ہجرت کا عام مفہوم مکے کو چھوڑ کر مدینہ چلے جانا ہی سمجھا جاتا ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال خوبصورتی سے ہجرت کی روح کی جانب اشارہ فرمادیا کہ اصل ہجرت یہ ہے کہ آدمی ہر اس چیز سے کٹ جائے جو اس کے رب کو خوش نہیں آتی۔)

(نسائی' بروایت حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

تنظیم اسلامی کے بیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر' جو ان شاء اللہ ۲۰ تا ۲۲/ اکتوبر مینار پاکستان کے سبزہ زار پر منعقد ہو گا' کل پاکستان احیاء خلافت پاکستان کانفرنس کا انعقاد بھی عمل میں آئے گا۔ نظام خلافت کے قیام کی سعی و جہد ہمارا اہم دینی فریضہ ہی نہیں' وقت کی اہم ضرورت بھی ہے۔ وطن عزیز پاکستان کو درپیش پیچ در پیچ مسائل کا حل صرف اور صرف دین حق کے نفاذ یا دوسرے لفظوں میں قیام نظام خلافت میں پوشیدہ ہے۔ ہم نے اور ہر طرح کا تجربہ کر کے دیکھ لیا۔ یہاں مارشل لاء بھی آیا' اس کی چھتری تلے صدارتی نظام کا تجربہ بھی ہم نے کیا' پارلیمانی جمہوری نظام کو ہم نے آزمایا' پھر ایک ایسے طویل فوجی اقتدار کا مزا بھی ہم نے چکھا جس نے اسلام کا لبادہ بڑے اہتمام سے اوڑھا ہوا تھا کہ اس دور میں اسلام کے بلند بانگ لیکن کھوکھلے نعرے ایوان حکومت سے بلند ہوتے تھے' گویا اپنے تئیں ہر نسخہ ہم نے آزمایا لیکن مسائل کی ڈور سلجھنے کی بجائے الجھتی چلی گئی۔ ہم قومی سطح پر بدقت تمام اگر کسی ایک الجھن اور قومی مخمصے سے نکلنے میں کسی قدر کامیاب ہوتے ہیں تو اس سے زیادہ بڑی الجھن اور بحران میں خود کو گرفتار پاتے ہیں ع "رست از یک بند تا افتد در بند دگر"۔ اس کے ساتھ ساتھ افراد قوم کے سیرت و اخلاق کے زوال کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اس معاملے میں اقوام عالم کو بہت پیچھے چھوڑ کر وکٹری سٹینڈ تک جا پہنچے ہیں۔ ایک تازہ سروے کے مطابق بددیانتی اور کرپشن کی دوڑ میں دنیا کے تمام ممالک میں اول و دوم پوزیشن دو مسلمان ممالک کے حصے میں آئی ہیں جن میں سے ایک پاکستان ہے۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!!!۔

"آوے کا آوا بگڑنا" ایک جانا پہچانا محاورہ ہے۔ اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی اور ملک یا قوم کی حالت پر یہ محاورہ راست آئے یا نہ آئے' پاکستان کی موجودہ صورتحال پر پورے طور پر منطبق ہوتا ہے۔ اس صورتحال کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ پورے نظام کو جڑ بنیاد سے تبدیل کیا جائے۔ ہمارا قومی مرض اتنا مزمن اور پیچیدہ ہو چکا ہے' اور اس کی جڑیں جسد ملی میں اتنی گہری اتر چکی ہیں کہ کوئی سطحی علاج ہرگز کارگر نہ ہو گا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا ہر ذی فہم کو اعتراف و ادراک ہے' لیکن اس کے اس منطقی تقاضے کی طرف ہمارے اکثر دانشور اور اہل قلم حضرات کی "طبیعت نہیں آتی" کہ یہ صورتحال ایک بھرپور انقلابی جدوجہد کی متقاضی ہے۔ چنانچہ ہمارے یہ اہل قلم حضرات جن میں سیکولر ذہن کے لوگ بھی ہیں اور خالص دینی مزاج رکھنے والے بعض اہل علم بلکہ علامہ حضرات بھی شامل ہیں' ملک کو درپیش سنگین صورتحال کا جو حل تجویز کرتے ہیں وہ بالعموم بہت بودا اور سطحی نوعیت کا ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ حقائق و واقعات کے منطقی تقاضوں سے اغماض برتنے سے مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام اور پاکستان سے خلوص و اخلاص رکھنے والے تمام طبقات احیاء خلافت کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں اور سیرت مطہرہ کی روشنی میں مل جل کر نفاذ نظام خلافت کے لئے بھرپور انقلابی جدوجہد کا آغاز کر دیں۔ اصلاح احوال کا یہی واحد راستہ ہے۔ اور یہی تنظیم اسلامی کا پیغام ہے' یعنی ---- نظام خلافت کا قیام!

احیاء خلافت کانفرنس میں ہم نے ان اصحاب علم و دانش کو دعوت دی ہے جو یا تو نظام خلافت کے احیاء کے لئے اپنے طور پر سرگرم عمل ہیں یا کم از کم اسی فکر کے حامل ہیں کہ ہمارے دکھوں کا مداوا صرف اور صرف نظام خلافت کے قیام و نفاذ میں ہے۔ اس کانفرنس میں جن حضرات کی شرکت متوقع ہے ان میں مولانا گوہر رحمان (مردان)' مولانا محمد اکرم اعوان' جسٹس عبدالمجید ٹوانہ' ڈاکٹر معظم علوی' سید گوہر علی شاہ گیلانی (کراچی)' اور جناب خورشید گنگوہی کے علاوہ امریکہ سے جناب جمیل الامین جن کا شمار جو ایفرو امریکن مسلمانوں کے ایک ممتاز دینی رہنماؤں میں ہوتا ہے' شامل ہیں۔ ان حضرات کی شرکت قریباً یقینی ہے۔ بعض دیگر اصحاب علم و فضل سے اس سلسلے میں رابطہ ابھی جاری ہے۔

☆ ☆ ☆

کاغذ کی قیمت میں بے تحاشا اضافے کی خبریں مختلف اخبارات کے ذریعے یقیناً قارئین تک پہنچتی رہی ہوں گی۔ یوں بھی گرانی کے سیلاب کی دست برد سے کون سی چیز بچی رہ گئی ہے! گزشتہ دو سالوں کے دوران طباعتی اخراجات میں بھی اچھا خاصا اضافہ ہو چکا ہے۔ ان حالات میں "ندائے خلافت" کی قیمت میں اضافہ ناگزیر تھا۔ ہمیں قوی امید ہے کہ قارئین کرام ادارے کے اس فیصلے کو خوشدلی سے قبول کریں گے کہ جس کا اعلان کرنے پر ہم اب خود کو مجبور پاتے ہیں کہ زیر نظر شمارے سے "ندائے خلافت" کی فی شمارہ قیمت ۔/۸ روپے ہو گی اور سالانہ زر تعاون ۔/۱۵۰ روپے!!

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم
جلد ۴ شمارہ ۴۲
۱۷/ اکتوبر ۹۵ء
14

مدیر : حافظ عاکف سعید
معاون مدیر : نثار احمد ملک

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ ۔ اے' مزنگ روڈ' لاہور

مقام اشاعت
۳۶ ۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون : ۳ ۔ ۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی' اومان' مصر ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' یورپ' جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

تنظیم اسلامی پاکستان

کیا ہے' کیا نہیں ہے؟

ایک اسلامی انقلابی جماعت کا اجمالی تعارف

"ندائے خلافت" کے بانی مدیر' اقتدار احمد مرحوم کی ایک جامع تحریر جو تنظیم اسلامی کے پندرھویں سالانہ اجتماع کے موقع پر "ندا" کی زینت بنی' تنظیم کے بیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر دوبارہ شائع کی جا رہی ہے

تنظیم اسلامی پاکستان کو عالم وجود میں آئے ہوئے پندرہ سال ہو گئے ہیں۔ ان پندرہ برسوں میں یہ ابتدائی مراحل سے گزری اور شعوری کوشش کرتی رہی ہے کہ پروپیگنڈا کے نقارے پر کم سے کم ضرب لگائی جائے چنانچہ اس کا کچھ زیادہ شہرہ نہ ہوا حالانکہ یہاں تھوتھا چنا' باجے گھنا کا اصول کار فرما ہے اور چھوٹی چھوٹی مقامی نوعیت کی جماعتیں بھی اچھل اچھل کر اپنی موجودگی کا مصنوعی احساس دلانے میں کوشاں نظر آتی ہیں۔ جبکہ تنظیم اسلامی میں عجز و انکسار کا عالم یہ ہے کہ اس کے امیر' ڈاکٹر اسرار احمد اب تک کہتے یہی ہیں کہ ہم ایک اسلامی انقلابی جماعت بنانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

کسی اصولی اور نظریاتی جماعت کی تشکیل و تنظیم ہی خالہ جی کا گھر نہیں' کجا یہ کہ ایک اسلامی انقلابی تنظیم کی داغ بیل ڈال کر اسے صحیح رخ پر چلایا بھی جائے۔ یہ "من عزم الامور" ایک کام ہے اور خدائی توفیق و تائید اور اللہ کے آخری رسول' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک کو دانتوں سے مضبوط پکڑے بغیر اس کا آغاز بھی ممکن نہیں' تکمیل تو بہت دور کی بات ہے۔ دور حاضر میں تنظیم اسلامی ملک کی وہ واحد دینی جماعت ہے جس کی تاسیس ایک شخص کے "من انصاری الی اللہ" (کون ہے اللہ کی راہ میں میرا مددگار و معاون!) کی صدا بلند کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہونے سے ہوئی۔ اس نے احساس فرض سے مجبور ہو کر تن تنہا اسلام کے انقلابی تصور کے دھندلاتے نقوش کو تازہ بھی کیا اور انہی خطوط پر اپنی استطاعت سے بڑھ کر کام شروع بھی کر دیا۔ پھر ہم سفر ملتے رہے اور کارواں بنتا گیا اور آج اللہ کے فضل سے

> "تنظیم اسلامی ایک وسعت پذیر جماعت ہے لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ وہ ایک ہجوم اپنے گرد جمع کرنے کی غرض سے اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں اور خود قائم کردہ معیارات کو پامال کرنے پر تل جائے"

وہ شخص اپنی اس کھیتی کو لہلہاتے دیکھ کر نہال ہونے کا حق رکھتا ہے جسے سینچنے میں اس نے جسم و جاں' قلب و ذہن کی تمام تر توانائیاں کھپا دیں لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو ہیں اور سربارگاہ خداوندی میں جھکا ہوا ہے جس نے ان کے دل میں کار رسالت کو جاری رکھنے کے فرض عین کے احساس کی شمع جلائی اور دماغ کو فکر کی راستی و سلامتی سے روشن بھی رکھا۔

سیاسی جماعتوں کا یہاں مذکور نہیں' ہماری دینی و مذہبی جماعتوں کی اٹھان یونہی تو ہوئی ہے کہ کچھ لوگ جمع ہوئے جن میں مسلک یا فکر و نظر کا کسی بھی درجہ میں اشتراک تھا' ایک مقصد' ایک ہدف کا تعین ہوا اور کسی لائحہ عمل پر اتفاق کر کے انہوں نے ایک جماعت کی بنیاد رکھ دی۔ ظاہر ہے کہ ایک اجتماعی فیصلے اور مشترکہ کوشش سے وجود میں آنے والی کسی بھی جماعت میں قیادت بھی اجتماعی ہو گی جو اتفاق رائے سے متعین مدت کے لئے چند عہدیداروں کو تفویض کر دی جاتی ہے لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا' تنظیم اسلامی کی تاسیس اس انداز میں نہیں ہوئی۔ ویسے بھی مسلک کی بنیاد پر بننے والی جماعتوں اور محدود مقاصد کے لئے قائم ہونے والے اداروں یا انجمنوں کی ساخت کسی بھی نظریاتی و انقلابی جماعت کے سانچے سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔

تنظیم اسلامی کے تعارف میں پہلی بات یہ کہی جاتی ہے کہ یہ معروف معنوں میں کوئی سیاسی جماعت نہیں' ایک اسلامی انقلابی جماعت ہے۔ دراصل یہ فرق مرض کی تشخیص سے پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ اس خیال کے حامل ہیں کہ ہمارے مسلم معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ تو درست ہے البتہ اس میں جزوی اصلاح کی ضرورت پڑ گئی ہے یا اسے چلانے والے ہاتھ بدل دینے سے بگڑی بن جائے گی' انہیں کسی ایسے گروہ میں

ہی شامل ہونا چاہئے جو اصلاحی کام کا بیڑا اٹھائے یا قیادت میں تبدیلی لانے بلکہ خود اس پر قابض ہو جانے کا پروگرام رکھتا ہو۔ البتہ جہاں شعوری فیصلہ یہ ہو کہ معاشرے کا ڈھانچہ ہی غلط بنیادوں پر استوار ہے' اس کی نوک پلک سنوارنے سے کام نہ چلے گا بلکہ حاضر و موجود نظام کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا اور تعمیر نو کا سامان کرنا ضروری ہو گیا ہے وہاں ایک مضبوط نظریہ پر مبنی انقلابی عمل ہی درکار ہو گا۔

تنظیم اسلامی خالص سیاسی جماعت ہے کہ انقلاب سے بڑھ کر سیاست کیا ہو گی لیکن معروف معنوں میں روایتی سیاسی جماعت نہیں جس کی نظر محض سطح پر تیرنے والے عوامل اور مواقع پر ہوتی ہے۔ تنظیم اسلامی انقلابی سیاست میں پوری طرح ملوث ہے لیکن انتخابی سیاست کے چھینٹوں تک بھی دامن بچاتی ہے جس کا منتہائے مقصود ایوان اقتدار کے مکینوں کو باہر نکال کر خود تخت حکومت پر براجمان ہونے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ تنظیم اسلامی نے اپنا لائحہ عمل دنیا کے کسی بھی حصے میں کامیابی و کامرانی کے جھنڈے گاڑتی سیاسی جماعتوں کے پروگراموں اور طریقہ ہائے کار سے مستعار نہیں لیا بلکہ انقلابی تحریکوں کی دریوزہ گری کی ہے اور چونکہ حوالہ اسلام اور خالص اسلام کا ہے لہٰذا اسلامی انقلابی تحریکوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا گیا' انہی کی پیروی کی جا رہی ہے جن کا اعلیٰ ترین اور کامل نمونہ وہ مقدس و بابرکت انقلابی جماعت ہے جسے قرآن مجید میں "محمد رسول اللہ والذین معہ" کا خوبصورت نام دیا گیا۔ قدسیوں کی یہی بے مثل جماعت تنظیم اسلامی کا آئیڈیل ہے اور اسی کا اسوۂ حسنہ تنظیم اسلامی کا لائحہ عمل۔

تنظیم اسلامی اپنے نظم و ضبط اور داخلی استحکام کے اعتبار سے اکثر ملکی جماعتوں اور تنظیموں سے بہت آگے ہے اور ان جماعتوں پر بھی فوقیت کا نہیں تو ان کی ہمسری کا دعویٰ ضرور کر سکتی ہے جن کی قوت کے افسانے بڑے بڑوں کا پتہ پانی کر دیں۔ یہ حجم میں کم سہی' وزن میں سب سے بھاری ہے۔ یہ قامت کچھ کمتر ہو تو ہو بہ قیمت کہیں بہتر ہے تاہم اپنی قوت کے بے جا اظہار کو مناسب نہیں سمجھتی۔ قوت کے بجا اظہار کے موقع کی منتظر ہے اور اس وقت کے لئے اپنے افرادی وسائل مجتمع کر رہی ہے جب ان سے کوئی واقعی مفید اور پائیدار کام لیا جا سکے کیونکہ ان اسلامی احیائی بلکہ انقلابی جماعتوں کا حشر اس کے سامنے ہے جو وقتی مسائل' بے حقیقت تقاضوں اور عارضی ضروریات کی بلند بانگوں اور شورا شوری سے معمور ہو کر ہنگاموں کے جھاڑ جھنکار میں الجھ کر رہ گئیں۔ اپنی منزل کھوٹی کی اور پیچھے آنے والوں کی حوصلہ شکنی کا باعث بھی بنیں یا بن رہی ہیں۔ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے کہ ایسے قافلوں کو "تیز ترک و گامزن" کے آہنگ پر چلانے والے قائدین میں سے بھی بہت سے لوگ بالآخر اس درجہ بددل ہوئے کہ اقامت دین اور غلبہ دین حق کی جدوجہد کی فرضیت کے ہی منکر ہو بیٹھے۔ بانس ہی نہ رہا تو بانسری بجنے کا اب کیا سوال!۔

> **"تنظیم اسلامی خالص سیاسی جماعت ہے کہ انقلاب سے بڑھ کر سیاست کیا ہو گی لیکن معروف معنوں میں روایتی سیاسی جماعت نہیں جس کی نظر محض سطح پر تیرنے والے عوامل اور مواقع پر ہوتی ہے۔ تنظیم اسلامی انقلابی سیاست میں پوری طرح ملوث ہے لیکن انتخابی سیاست کے چھینٹوں تک سے بھی دامن بچاتی ہے"**

تنظیم اسلامی ایک وسعت پذیر جماعت ہے لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ ایک ہجوم اپنے گرد جمع کرنے کی غرض سے اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں اور خود قائم کردہ معیارات کو پامال کرنے پر تل جائے۔ آج بازار سیاست میں (اور بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ مذہب کے میدان میں بھی) بازی گری کے کمالات دکھا کر لوگوں کو جوق در جوق اپنی طرف کھینچنے والوں کی کوئی کمی رہ گئی ہے؟۔ اور تنظیم اسلامی کی قیادت اتنی کودن بھی نہیں کہ ہر دلعزیزی کے ان آسان نسخوں سے واقف نہ ہو لیکن یہاں تو باضابطہ شمولیت اختیار کر لینے والوں کو بھی ٹھوک بجا کر دیکھا جاتا ہے' تعلیم و تربیت کے مراحل سے گزار کر ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے اور اس میں حسب و نسب' جاہ و حشم اور نئے پرانے کی رعایت بھی روا نہیں رکھی جاتی۔ اس بات کا بھی کوئی لحاظ نہیں کہ کسی کی پشت پر افرادی قوت کی کتنی بہتات یا وسائل دنیوی کی کیسی افراط ہے۔ یہاں کوئی شعلہ بیان مقرر یا نعرہ باز نوجوان بھی ساتھیوں کی صفوں میں کہنیوں سے اپنے لئے جگہ بناتا ہوا آگے نہیں بڑھ سکتا۔ قیادت ان کارکنوں کا حق ہے جنہوں نے کوئی امید دلوں میں پالے بغیر نظم کی پابندی' مقصد سے ذہنی و قلبی وابستگی اور اس کے لئے جسم و جاں کی صلاحیتوں کے انفاق و ایثار میں سب سے زیادہ نمبر لئے ہوں۔

دراصل تنظیم اسلامی ابھی دعوت' تنظیم اور تربیت کے مراحل سے گزر رہی ہے جو غلبہ دین حق کی غرض سے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے اگلے مراحل کی تیاری کے لئے لازم و لابدی ہے۔ کچے پکے مواد کے امتزاج سے کسی مضبوط اور دیرپا عمارت کی تعمیر ممکن نہیں۔ ہاں' کاغذی گھوڑے دوڑائے جا سکتے ہیں' چائے کی پیالیوں میں طوفان لائے جا سکتے ہیں اور ایسے نمائشی کارنامے انجام دیئے جا سکتے ہیں جن میں ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ بھی چوکھا ہو۔ ٹھوس تعمیری کام کے لئے تو پتا مار کر کام کیا جانا چاہئے جس کے نتائج بھی جلد سامنے نہیں آتے اور قدم قدم پر مایوسیوں کا منہ جو دیکھنا پڑتا ہے' وہ الگ۔ "عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب۔ دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک"۔ اللہ کی کبریائی کو عملاً دنیا پر نافذ و قائم کرنے کا سودا دماغ میں سما جائے تو دل کا حال اس عاشقی سے برا ہوتا ہے۔ اس دھن میں مبتلا عظیم ترین انسان' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے براہ راست خود مالک کون و مکاں کو بارہا تسلی و تشفی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہا گیا کہ آپؐ اس غم میں اپنے آپ کو کیا ہلاک کر لیں گے!۔ تنظیم اسلامی کا اصل سرمایہ وہی لوگ ہیں جن کا شیشہ دل دین کی سربلندی کی آرزو سے جگ مگ کرتا ہے اور سینے میں ایک ہی حسرت کے شعلے بھڑکتے ہیں... اللہ کے دین کا کام کرتے ہوئے خود اپنے لئے نجات اخروی کی ضمانت حاصل کر لینے کی فکر اور تمنا۔

تنظیم اسلامی نے اس سنے زمانے میں بھی

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

مذاکرات، محاصرے اور ہڑتالیں:

عوام کب تک اس جہنم میں جلیں گے؟

دوہرا معیار----عدل و انصاف کے منہ پر طمانچہ ہے

ہمارے حکمرانوں کی سوچ کبھی بھی علاقائیت سے بلند نہیں ہو سکی

ہماری انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی دوہرا معیار ہر جگہ نظر آئے گا۔ اس کا واحد سبب اس باز پرس کے تصور کی کمزوری ہے جسے ہم تصور آخرت کا نام دیتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہماری حرکات و سکنات سے ہمارا خالق واقف ہے، صرف واقف ہی نہیں بلکہ وہ تمام باتیں ریکارڈ ہو رہی ہیں، یہ ریکارڈ اعمالنامہ کی شکل میں قیامت کے دن ہاتھوں میں پکڑا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ پڑھ اپنا اعمال نامہ، آج تو خود اپنا محتسب ہے۔ وہ پکار اٹھے گا کہ ہائے میری بربادی، اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں چھوٹی جو میں نے بیان نہ کی ہو۔ میرا ہر حرکت و عمل من و عن موجود ہے۔

اس تصور کے مضمحل ہو جانے کے بعد معاشرہ فساد سے بھر گیا ہے۔ انسان کو سیدھا رکھنے کے لئے یہ تصور کافی تھا۔ مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کا کوئی شعبہ اس تصور سے ہم آہنگ نہیں۔ عوام الناس کی تو بات الگ ہے، رجال دین بھی اس تصور سے خالی ہیں۔ ذہن میں اگر باز پرس کا تصور زندہ ہوتا تو اتنے بے شمار فرقے وجود میں نہ آتے۔ اس تصور کے کمزور پڑ جانے سے امت پارہ پارہ ہو گئی اور اس کی وحدت تباہ ہو گئی۔ عوام الناس جب اس تصور سے آزاد ہوئے تو ہر شعبہ زندگی میں دنیا پرستی آ گئی اور حصول دنیا کے لئے نئی نئی تراکیب استعمال کی گئیں۔ اخلاقی حدود بری طرح پامال ہوئیں اور انسان ایک معاشی حیوان بن گیا ہے۔

گویا سوچ بدل گئی، فکر بدل گئی، اہداف بدل گئے۔ اعلیٰ قدروں کی جگہ عارضی مفادات آ گئے اور انسان چھوٹے چھوٹے گھروندوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان مفادات نے قومیتوں کو جنم دیا۔ علاقائی تصور زور شور سے ابھرا، زبان و ثقافت کی بنیاد پر دھڑے بنائے گئے اور ان کی باہمی کشمکش نے معاشرے میں نفرت کو گھول دیا۔ یہ سب کچھ ایک دو دن میں نہیں ہوا۔ یہ بات نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ ان برسوں میں جو بھی حکومت آئی اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ نفرتوں میں اضافہ ہی کیا۔ علاقائی نعروں کو مزید تقویت دی۔ ان کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی کی گئی۔ انہیں اپنے مفاد میں استعمال کیا گیا۔ میڈیا میں اسلامی ثقافت کو کم سے کم جگہ دی گئی اور علاقائی ثقافت کو ابھارا گیا۔ ثقافتوں کی دوڑ نے اس خلیج کو اور وسیع کیا۔ اس طرح گروہی عصبیتیں نمایاں ہوتی چلی گئیں۔

> "اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی ایسا ہی عدل و انصاف کیا ہے جیسے اسلام لانے والوں کے ساتھ کیا ہے۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ ہم نام تو اسلام کا لیتے ہیں، حضورؐ کے امتی ہونے کا دم بھرتے ہیں، قرآن کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں مگر جب عدل و انصاف کا وقت آتا ہے تو علاقوں میں بٹ جاتے ہیں"

ہمارے حکمرانوں کی سوچ علاقائیت سے اوپر نہ اٹھ سکی، ہر شخص اپنے علاقہ کا نمائندہ بن گیا۔ اس سوچ نے دوہرے معیار کو جنم دیا۔ اس دوہرے معیار کی کرشمہ سازی ہے جس سے ہم دوچار ہیں۔ یوں تو پورے پاکستان کے ہر کونے میں دوہرا معیار واضح نظر آ رہا ہے مگر کراچی میں یہ اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اسکول میں داخلے کا مسئلہ ہو یا ملازمتوں کا، ہر جگہ یہ دوہرا معیار بہ چشم سر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس دوہرے معیار نے عدل و انصاف کے منہ پر وہ طمانچہ رسید کیا ہے جس سے اس کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اپنے مقدمات کے لئے لوگ پوچھتے ہیں کہ جج کس علاقے کا ہے اس طرح تمام محکموں میں یہی سکہ رائج ہو گیا ہے۔

اس دوہرے معیار نے کراچی کو جہنم میں پھینک دیا ہے اور عرصہ کئی سال سے وہ اس آگ میں جل رہا ہے۔ دلوں کے فاصلے اس قدر بڑھ گئے ہیں جسے انتظامی فیتوں سے ناپا نہیں جا سکتا۔ نفرتوں کی خلیج کو بے معنی بیانات سے پاٹا نہیں جا سکتا۔ یہ بیانات آگ پر تیل تو چھڑک سکتے ہیں اسے بجھا نہیں سکتے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جب بھی کوئی لاشہ گرتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ کون کام آیا۔ نام سے اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ تو ہمارے علاقے کا نہیں ہے تو سکون کا سانس لیتے ہیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اگر معلوم ہو کہ وہ ان کے علاقے کا تھا تو رگوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگتا ہے اور انتقام اور نفرت کے جذبات

امڈنے لگتے ہیں۔

پاکستانی قومیت بنانے کی جتنی کوششیں کی گئیں وہ سب رائیگاں ہو گئیں۔ اس لئے کہ یہ غیر فطری طریقہ تھا۔ تمام کلمہ گو ایک ہیں۔ یہ جسد واحد کی طرح ہیں۔ یہ اسی صورت میں جسد واحد ہیں جب اسلام کے دیئے ہوئے طریقہ عدل سے کام لیا جائے۔ ان کے درمیان تفریق نہ کی جائے۔ انہیں علاقوں کے حوالے سے نہ بانٹا جائے۔ انہیں زبان کی بنیاد پر الگ الگ نہ سمجھا جائے۔ ان کے درمیان عدل و انصاف جاری کیا جائے۔

اسلام نے عدل و انصاف غیر مسلموں سے بھی ایسا کیا ہے جیسے اسلام لانے والوں کے ساتھ کیا ہے۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ ہم نام تو اسلام کا لیتے ہیں' حضورؐ کے امتی ہونے کا دم بھرتے ہیں' قرآن کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں مگر جب عدل و انصاف کا وقت آتا ہے تو علاقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ تمام خرابیوں کی جڑ یہ دوہرا معیار ہے۔ اگر اس دوہرے معیار کو اسی طرح برقرار رکھا گیا تو ایک جگہ قائم نہیں رہے گا۔ اس سے وہ فتنے جنم لیں گے جن کا سدباب کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کے آثار شروع ہو چکے ہیں۔ کراچی میں قتل و غارت گری کا جو بازار گرم ہے وہ اسی وجہ سے ہے۔ آگے چل کر یہ خانہ جنگی میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اس وقت اس سے وہ لوگ بھی نہ بچ سکیں گے جو اسے ہوا دے رہے ہیں۔

دھیمے دھیمے انداز میں پاکستان بچانے کی باتیں ہو رہی ہیں مگر عدل و قسط کے نظام کو قائم کرنے کے لئے کسی طرف سے بھی آواز بلند نہیں ہو رہی ہے۔ بعض تنظیموں نے اسے اپنا منشور بنایا ہے مگر ہمارا معاشرہ اس طرف نظر نہیں کرتا۔ پندرہ برس پہلے سے "ایک شخص" ارباب اختیار اور عوام الناس کو اس خطرہ سے آگاہ کرتا رہا ہے۔ اس نے اس مسئلہ پر کتابیں لکھیں اور دلائل کے ذریعہ متوجہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے علاوہ پورے سندھ کا دورہ کر کے لوگوں کو اس کی اہمیت کا احساس دلایا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب نے نشہ آور دوا پی لی ہے یا سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسی غفلت سے ان کے ملک کا بڑا حصہ الگ ہو گیا اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اب اگر کوئی ایسا حادثہ خدانخواستہ پیش آیا تو شکست و ریخت کا وہ منظر سامنے ہو گا جس کا تصور انتہائی بھیانک ہے۔

چرچل کا وہ جملہ نقل کرنے کو جی چاہتا ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ "ہمیں کوئی قوم فتح نہیں کر سکتی اس لئے کہ ہم اپنے عوام کے درمیان انصاف کرتے ہیں"۔OO

نجیب صدیقی

☆☆

تمدنی ارتقاء نے انسانوں کو جو بہت سارے تحفے دیئے ہیں ان میں ایک ہڑتال بھی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم مغربی اقوام کی نقالی کے معاملے میں تو بہت تیز ہیں' اتنے تیز کہ ان کے مثبت کاموں کے بھی منفی نتائج پیدا کر دیتے ہیں۔ ہڑتال دراصل دباؤ کا ایک حربہ ہے جو مخالف گروہ سے اپنے مطالبات کے منوانے کے کام آتا ہے۔ لیکن یہ حربہ وہاں کام آتا ہے جہاں فریقین اصولوں پر عمل کرنے والے ہوں۔ ورنہ ہڑتالوں سے بجائے مقصد کے حصول کے نئے نئے مسائل پیدا ہو

"ان محاصروں سے دہشت گردوں کا تو کوئی نقصان بظاہر نہیں ہوتا البتہ عوام کی شامت آئی ہوئی ہے۔ مردوں کی تذلیل' عورتوں کی بے حرمتی' مال و اسباب اور روپے پیسے کی قانون نافذ کرنے والوں کی جانب سے لوٹ مار روز کا معمول ہے"

جاتے ہیں۔ آج کل بدنصیب کراچی ہڑتالوں کی زد میں ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہڑتال کی کال دینے والے اور جن کے خلاف ہڑتال کی کال دی جا رہی ہے' دونوں ہی اصولوں کی پاسداری نہیں کر رہے ہیں۔ حکومت کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ امن کی خواہاں ہے اور اس نے مذاکرات کی میز بھی سجا رکھی ہے۔ لیکن جہاں ایک طرف بات چیت جاری ہے تو دوسری جانب دہشت گردوں کے خلاف ایکشن کے نام پر علاقوں کے محاصرے بھی جاری ہیں۔ ان محاصروں سے دہشت گردوں کا تو کوئی نقصان بظاہر نہیں ہوتا البتہ عوام کی شامت آئی ہوئی ہے۔ مردوں کی تذلیل' عورتوں کی بے حرمتی' مال و اسباب اور روپے پیسے کی قانون نافذ کرنے والوں کی جانب سے لوٹ مار روز کا معمول ہے۔ گویا کہ حالت وہی ہے کہ "سنگ مقید ہیں اور سگ آزاد"۔

دوسری جانب یہ عوام کے نام نہاد ہمدرد ان محاصروں کو بنیاد بنا کر ہڑتال کی کالیں دے رہے ہیں۔ یہ بات بجا کہ حکومت زیادتی پر آمادہ ہے۔ یہ بھی درست کہ حکومت کے اس رویئے کے خلاف احتجاج کے طور پر ہڑتال بھی ہونی چاہئے۔ لیکن ہڑتال پرامن انداز میں کرنے میں کیا قباحت ہے؟ لیکن طریقہ واردات یہ ہے کہ جس صبح کو ہڑتال ہونی ہے اسی شام سے گاڑیاں جلانے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ مقصد بس یہ کہ لوگ اتنے خوفزدہ ہو جائیں کہ گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ ارے بھائی جب عوام کا مینڈیٹ آپ کو حاصل ہے تو پھر آپ پرامن ہڑتال کا راستہ کیوں اختیار نہیں کرتے؟ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ جناب دہشت گردی ہم نہیں کر رہے دوسرے کر رہے ہیں۔ اس سے بھی انکار نہیں کہ دوسرے لوگ بھی ملوث ہونگے لیکن لوگ اپنی آنکھوں سے جو حقائق دیکھ رہے ہیں کیا ان پر اعتبار کرنا چھوڑ دیں۔

اب تو دیواروں پر مہاجر ٹائیگر فورس نامی کسی تنظیم کے ہاتھ سے لکھے ہوئے پوسٹرز بھی نظر آ رہے ہیں جن میں ہڑتال کے موقع پر کاروبار بند نہ کرنے پر نتائج کی دھمکیاں بھی درج ہوتی ہیں۔ چلئے ہم یہ مان لیتے ہیں کہ یہ بھی آپ کے دشمنوں کی حرکت ہو گی لیکن یہ آپ کی کیسی تنظیم ہے جسے ۹۵ فیصد عوام کا مینڈیٹ حاصل ہے لیکن اس کے باوجود گڑبڑ کرنے والوں کو ان حرکتوں سے باز رکھنے پر قادر نہیں۔ ان ہڑتالوں کے نتائج کس کے خلاف جا رہے ہیں؟ سڑکوں پر کون مر رہا ہے؟ معیشت کس کی تباہ ہو رہی ہے؟ لوگ کس کے مصائب کی زد میں ہیں؟ کبھی ان حقوق کے لئے بزعم خود جدوجہد کرنے والوں نے سوچا؟ کیا وہ ان مزدوروں کے لئے کچھ کر رہے ہیں۔ ان چھوٹے دوکانداروں' ریڑھے لگانے والوں اور فٹ پاتھ پر پتھارہ لگانے والوں کے بارے میں کچھ سوچ رہے ہیں جن کی دہاڑی بند ہو رہی ہے۔

عوام بے چاری کہاں جائے؟ کس سے فریاد کرے کہ اسے تو دوست نما دشمنوں کا سامنا ہے' چاہے وہ حکومت کے لوگ ہوں' حقوق کے علمبردار ہوں یا دوسرے سیاسی زعماء ہوں۔ ایسے میں وہ حیران ہیں کہ یہ مذاکرات کا ڈھونگ آخر کیوں رچایا جا رہا ہے؟ اس کی بساط کیوں لپیٹ نہیں دی جاتی؟ جب لڑائی ختم کرنے کی نیت ہی نہ ہو تو سیز فائر کے لئے مذاکرات کا ڈرامہ آخر کیوں؟ کوئی ہے جو اس کا جواب دے؟۔OO

محمد سمیع

ملی یکجہتی کونسل یا سیاسی اتحاد؟

یہ اتحاد ہمارے سیاسی کلچر پر دور رس اثرات مترتب کر سکتا ہے!!

ماضی میں علماء کسی مثبت بنیاد پر کم ہی متحد ہوئے ہیں!

"ملی یکجہتی کونسل" نے قابل قدر کامیابیاں حاصل کی ہیں

شاراحمد ملک

ملت اسلامیہ پاکستان اپنی فکری اساس سے انحراف کے نتیجے میں جس انتشار و افتراق کا شکار ہے' اس نے ہر سوچنے سمجھنے والے انسان کو پریشان کر رکھا ہے۔ ہر شخص یہ سوچنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ ہمارا بحیثیت قوم مستقبل کیا ہو گا۔ آج سے چند ماہ پیشتر تک فرقہ واریت کے عفریت نے ملک و ملت کے بہی خواہوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ راقم الحروف نے ۷ فروری ۹۵ء کے ہفت روزہ "ندائے خلافت" کے شمارے میں فرقہ واریت کے اسباب اور اس کے خاتمہ کے لئے چند تجاویز پیش کی تھیں۔ میں نے لکھا تھا کہ "ابھی وقت ہے کہ اس آگ پر قابو پالیا جائے۔ اس کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ پہلا طریقہ تو قانونی ہے۔ حکومت پنجاب نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ اگر یہی طریقہ اپنانا ہے تو فریقین پر غیر جانبدارانہ انداز میں ہاتھ ڈالنا چاہئے۔ جبکہ دوسرا طریقہ مذاکرات اور افہام و تفہیم کا ہے۔ اس طریقے کو حکومت کے علاوہ دونوں مکاتب فکر (شیعہ اور سنی) کے ان علماء کو اختیار کرنا چاہئے جو معتدل مزاج کے حامل ہیں' جو اس ملک میں امن و امان کی فضا کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ حضرات اپنے اپنے گروہوں کے رہنماؤں کو سمجھائیں۔ قانونی سطح پر یہ بات اب ضروری ہو گئی ہے کہ ہر مکتب فکر کی محترم شخصیات کی ناموس کی حفاظت کی جائے اور جو اس قانون کی خلاف ورزی کرے' اس کے لئے عبرتناک سزا تجویز کی جائے۔ جب تک ہم ایک دوسرے کے جذبات کا احترام نہیں کریں گے' اس وقت تک امن کا قیام ایک واہمہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے"۔

الحمدللہ کہ ان دونوں طریقوں پر عمل ہوا' جس کے نتیجے میں ملک سے فرقہ واریت کا اگر خاتمہ نہیں ہوا تو کافی حد تک کمی ضرور ہو گئی ہے۔ آئے دن جو ایک دوسرے کے علماء اور کارکنوں کا خون کیا جا رہا تھا' وہ بند ہو گیا ہے۔ ہمارے تجویز کردہ دوسرے طریقے پر سب سے پہلے اسلامی نظریاتی کونسل نے عمل شروع کیا تھا۔ کونسل نے فرقہ واریت کے خاتمہ کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی جس نے مختلف مکاتب فکر کے علماء سے رابطہ کیا' جس کے حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوئے۔ اس کے بعد مختلف مکاتب فکر کی گیارہ جماعتوں نے مل

> **"ملی یکجہتی کونسل" میں شامل جماعتوں کے ماضی پر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو اس نتیجے تک پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی کہ یہ جماعتیں کبھی بھی سیاسی طور پر متحد نہیں ہوئیں"**

کر "ملی یکجہتی کونسل" کے نام سے ایک مشترک پلیٹ فارم کی بنیاد رکھی۔ اس کونسل میں ابتدا گیارہ جماعتوں نے شرکت کی' جن میں' جمعیت علماء پاکستان' (نورانی گروپ) جمعیت علماء پاکستان' (نیازی گروپ) جمعیت علماء اسلام' (سمیع الحق گروپ) جمعیت علماء اسلام' (فضل الرحمٰن گروپ) جمعیت اہل حدیث پاکستان' (ساجد میر گروپ) جماعت اسلامی پاکستان' تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان' سواد اعظم' حزب الجہاد پاکستان' تحریک منہاج القرآن اور سپاہ صحابہ پاکستان شامل ہیں۔

اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ "ملی یکجہتی کونسل" نے اپنے سامنے جو مقاصد رکھے تھے' ان کے حصول میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ۲۷ مئی کو "ملی یکجہتی کونسل" نے "تحفظ ناموس رسالت" کے لئے ملک گیر پہیہ جام ہڑتال کی' جسے اگرچہ حکومت کی بھی تائید حاصل تھی' بہرکیف یہ انتہائی کامیاب رہی۔ دوسری شاندار مثال محرم الحرام میں مثالی امن و امان کا قیام ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تقریباً ہر سال محرم الحرام میں' مختلف شہروں میں' ناخوشگوار واقعات ضرور پیش آتے تھے۔ گزشتہ چار پانچ سال تو انتہائی بھاری گزرے' جس کی بنیادی وجہ "سپاہ صحابہ پاکستان" اور اولاً "تحریک جعفریہ" اور بعدہ "سپاہ محمد" کی ایک دوسرے کے خلاف تکفیری مہم تھی۔

"ملی یکجہتی کونسل" کی کامیابیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ایک متفقہ ضابطہ اخلاق اور لائحہ عمل تیار کیا ہے جس پر مندرجہ بالا گیارہ جماعتوں کے سربراہوں کے دستخط ثبت ہیں۔ چنانچہ اس متفقہ لائحہ عمل میں' جس پر "تحریک جعفریہ" کے قائد علامہ ساجد نقوی اور سپاہ صحابہ کے قائد کے دستخط بھی موجود ہیں' یہ شق بھی موجود ہے کہ "یہ اجلاس عظمت رسولؐ' عظمت اہل بیت اطہارؓ' عظمت ازواج مطہراتؓ اور عظمت صحابہ کرامؓ کو ایمان کا جزء سمجھتا ہے اور ان کی تکفیر کرنے والے کو اسلام سے خارج سمجھتا ہے اور ان کی توہین اور تنقیص کرنے کو حرام سمجھتے ہوئے قابل تعزیر جرم سمجھتا ہے --- یہ اجلاس کسی بھی اسلامی فرقہ کو کافر قرار دینے کو غیر اسلامی اور قابل نفرت فعل سمجھتا ہے"۔ فرقہ واریت کے اصل فریقین کا اس شق پر متفق ہو جانا واقعتاً بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اگر اس شق کی پوری طرح پابندی کی

جائے' دلوں کے حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور قانون نیت سے بحث بھی نہیں کرتا' لیکن زبان کی حد تک بھی مندرجہ بالا شق کی پابندی کی جائے تو فرقہ واریت کا خاتمہ بہتر حد تک ہو سکتا ہے۔ اس بات پر کہ صحابہ کی تکفیر کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے' اتنی بڑی تعداد میں جماعتوں کا بشمول "تحریک جعفریہ" پہلی دفعہ اتفاق ہوا ہے۔

اگرچہ "ملی یکجہتی کونسل" کی کامیابیوں میں حکومت کا تعاون بھی شامل ہے لیکن اس ضمن میں مذہبی جماعتوں کے کردار کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ حکومت کے تعاون کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسے پنجاب کی حد تک "فرقہ واریت" کے ہاتھوں امن و امان کی انتہائی مخدوش صورتحال کا سامنا تھا۔ آئے روز مساجد میں بموں کے دھماکے' علماء کا قتل اور احتجاجی جلسے جلوسوں کی بھرمار' مختلف مکاتب فکر کے علماء کی پکڑ دھکڑ اور اس کے خلاف ردعمل جیسے عوامل نے واقعتاً حکومت پنجاب کو بے بس کر دیا تھا۔ "ملی یکجہتی کونسل" کی کامیابی کی دوسری اہم وجہ علماء کے مشترکہ مفادات کا معرض خطر میں ہونا بھی تھا۔ یہ بات قارئین نہیں بھولے ہوں گے کہ چند ماہ پیشتر حکومت نے دینی مدارس میں اپنا تجویز کردہ نصاب ٹھونسنے کا عندیہ دیا تھا' نیز مدارس اور جماعتوں کو ملنے والی امدادی رقوم کا آڈٹ کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے ہر مدرسے میں اپنا منتظم متعین کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس کے علاوہ بعض فرقہ وارانہ جماعتوں پر پابندی عائد کرنے اور ان کے اثاثے منجمد کرنے کے علاوہ قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں سخت قسم کے قانونی اقدام کرنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ مزید برآں اوقاف کی مساجد میں علماء کو لکھا ہوا خطبہ پڑھنے کو کہا گیا تھا اور اس بات کا اندیشہ محسوس کیا جارہا تھا کہ شاید اب یہ معاملہ اوقاف کی مساجد تک محدود نہ رہے بلکہ اس سے متجاوز ہو کر تمام علماء کو پابند کیا جائے کہ وہ لکھا ہوا خطبہ ہی پڑھا کریں۔ یہ وہ مشترکہ مفادات تھے جن کے پیش نظر علماء کے مختلف گروہ "ملی یکجہتی کونسل" کے نام سے متحد ہو گئے۔ جیسا کہ چند سطور پیشتر کہا گیا ہے کہ وہ اپنے مقاصد میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حکومت نے مندرجہ بالا تمام اقدامات تقریباً واپس لے لئے ہیں۔

بہرحال اس اتحاد کی بنیاد منفی ہو یا مثبت' اس کے نتائج حوصلہ افزا ہیں۔ اگرچہ مذکورہ بالا منفی بنیاد کے علاوہ ایک مثبت بنیاد "فرقہ واریت کا خاتمہ" بھی اس اتحاد کی پشت پر موجود تھی۔ تاہم حکومت پاکستان کی فرقہ واریت کے خاتمہ کے نام پر دینی اور مذہبی معاملات میں بے جا مداخلت' جس کا موقع اگرچہ علماء نے خود ہی فراہم کیا تھا' اور مکمل سیکولرازم لانے کی ناپاک سازش کو وقتی طور پر علماء کے اس اتحاد نے ناکام بنا دیا ہے۔ گویا یہ منفی بنیاد بھی خیر کا باعث بنی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے اور بطور فلسفہ اس بات کو بیان کیا جاتا ہے کہ اتحاد عموماً منفی بنیادوں پر ہی بنتے ہیں۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب بھی کسی گروہ کو اپنے مشترکہ دشمن سے خطرہ محسوس ہوا تو اس نے اس کا مقابلہ متحد ہو کر کیا۔ یہاں اس تلخ حقیقت کا ذکر بھی کرتا چلوں کہ پاکستان کی مذہبی جماعتوں نے جس اتحادی سیاست کا آغاز کیا تھا' ہر دور میں اس کا فائدہ لادینی اور سیکولر قوتوں کو ہی پہنچا ہے۔

اس وقت مختلف حلقوں کی طرف سے یہ سوال بھی اٹھایا جارہا ہے کہ کیا یہ مذہبی قسم کا اتحاد آگے چل کر "سیاسی اتحاد" میں تبدیل ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہو گیا تو اس کے اثرات ہمارے "سیاسی کلچر" پر کیا مترتب ہوں گے۔ اگرچہ تاحال اس مذہبی قسم کے اتحاد میں شامل جماعتوں میں سے اکثر اس رفاقت کو نبھا رہی ہیں' سوائے "تحریک منہاج القرآن" اور "سپاہ صحابہ" کے۔ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے شاید اس اتحاد سے سیاست کی بو سونگھ لی ہو یا کسی اور سبب کے پیش نظر ان کی جماعت نے چند ہی ہفتوں کے بعد علیحدگی اختیار کر لی۔ جبکہ چند روز قبل لاہور میں بلال مسجد کے خطیب اور سپاہ صحابہ کے مقامی رہنما مولانا سیف اللہ خالد کے سفاکانہ قتل کے بعد سپاہ صحابہ نے بھی اخباری اطلاعات کے مطابق "ملی یک جہتی کونسل" سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور اس قتل کا ذمہ دار اپنے حریف فرقہ کو ٹھہرایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ "ملی یکجہتی کونسل" کو یہ پہلا بڑا دھچکا لگا ہے۔

"تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" اس اتحاد کی ایک اہم جماعت ہے لیکن اہل تشیع کا ایک دوسرا گروہ' جو زیادہ متشدد بھی ہے اور "سپاہ صحابہ پاکستان" کا مدمقابل بھی' یعنی "سپاہ محمد" اس کونسل کی پالیسیوں پر شدید تنقید کر چکا ہے۔ نیز اس کے قائدین "تحریک جعفریہ" کو بھی اپنا حقیقی نمائندہ تصور نہیں کرتے۔ ان حالات میں کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ اتحاد کسی انتخابی معرکے میں متحدہ پلیٹ فارم پر سے صف آرا ہو سکے گا یا نہیں! "سپاہ صحابہ" کے ایک رہنما کے حالیہ قتل نے اس اتحاد کے مستقبل کو مزید مخدوش بنا دیا ہے۔

دراصل "ملی یکجہتی کونسل" کے سیاسی اتحاد میں بدل جانے کے امکانات بہت کم ہیں۔ اگر اتحاد میں شامل جماعتوں کے ماضی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو اس نتیجے تک پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی کہ یہ تمام جماعتیں کبھی بھی سیاسی طور پر متحد نہیں ہوئیں۔ ان جماعتوں کے قائدین کے اپنے اپنے سیاسی رجحانات رہے ہیں۔ یہاں ہم ۷۷ء کی نظام مصطفیٰ کی تحریک کو اس سے مستثنیٰ قرار دے رہے ہیں' اس لئے کہ اس کی پشت پر کچھ دوسرے سیاسی محرکات بھی تھے۔

"ملی یکجہتی کونسل" میں شامل جماعتوں میں نمایاں کردار "جمعیت علماء پاکستان" (نورانی گروپ) کا ہے۔ مولانا نورانی میاں اس کونسل کے صدر ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت واقعہ ہے کہ جمعیت خود دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے اگرچہ ان دونوں میں اتحاد کی باتیں ہو رہی ہیں تاہم تاحال کوئی ٹھوس عملی اقدام سامنے نہیں آیا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی کا سیاسی جھکاؤ مسلم لیگ نواز گروپ کی طرف ہے جبکہ مولانا نورانی میاں کو عموماً پی پی کا حمایتی سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ اس جماعت کے دو حصوں میں بٹ جانے کی دوسری وجوہات کے علاوہ عورت کی حکمرانی کے معاملے میں

> "یہ اجلاس عظمت رسولﷺ' عظمت اہل بیت اطہار' عظمت ازواج مطہرات اور عظمت صحابہ کرامؓ کو جزو ایمان سمجھتا ہے اور ان کی تکفیر کرنے والے کو اسلام سے خارج سمجھتا ہے اور ان کی توہین اور تنقیص کرنے کو حرام سمجھتے ہوئے قابل تعزیر جرم سمجھتا ہے --- یہ اجلاس کسی اسلامی فرقہ کو کافر قرار دینے کو غیر اسلامی اور قابل نفرت فعل سمجھتا ہے" "اس شق پر دونوں دھڑوں کا متفق ہو جانا بہت بڑا کارنامہ ہے"

مولانا نورانی اور مولانا نیازی کے موقف میں نمایاں فرق بھی ایک اہم وجہ ہے۔ مولانا نورانی نے کبھی بھی عورت کی حکمرانی کو ایشو بنا کر' دوسرے علماء کی طرح' سخت موقف اختیار نہیں کیا۔ اس تجزیہ کو اگر سامنے رکھا جائے تو ان دونوں دھڑوں کا کسی مشترکہ سیاسی اتحاد میں شریک ہونا بظاہر احوال مشکل نظر آتا ہے۔

اس کونسل کی دوسری اہم جماعت "جمعیت علماء اسلام" اور اہم شخصیت مولانا سمیع الحق ہیں' جو اس کونسل کے سیکرٹری جنرل بھی ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ "جمعیت علماء اسلام" بھی دو گروہوں میں منقسم ہے۔ یہ دونوں گروہ اگرچہ "ملی یکجہتی کونسل" میں تو شامل ہیں ---- لیکن کیا اس کونسل پر مبنی کسی سیاسی اتحاد میں ان دونوں کا شامل ہونا ممکن ہوگا' یہ ایک اہم سوال ہے!! ان دونوں شخصیتوں' مولانا سمیع الحق اور فضل الرحمٰن' کے ماضی قریب کو دیکھا جائے تو اول الذکر مسلم لیگ کے حلیف اور پیپلز پارٹی کے حریف رہے ہیں جبکہ موخر الذکر تاحال پیپلز پارٹی کے حلیف اور مسلم لیگ کے حریف ہیں' اور پیپلز پارٹی سے ان کی رفاقت ہر آنے والے دن پہلے سے گہری تر ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا اس ماضی اور حال کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان دونوں کا متحد ہونا بھی محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

کونسل میں شامل ایک دوسری اہم جماعت "جمعیت اہل حدیث" ہے' جس کے امیر پروفیسر ساجد میر ہیں۔ یہ جماعت اس وقت بھی مسلم لیگ (ن) کی حلیف ہے۔ جناب پروفیسر صاحب مسلم لیگ کے بل بوتے پر ہی سینٹ تک پہنچ پائے ہیں۔ ماضی میں بھی جمعیت کے اس دھڑے کا رجحان مسلم لیگ کی طرف ہی رہا ہے۔ اسی طرح "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" بھی ماضی میں "پیپلز پارٹی" کی باقاعدہ حلیف رہی ہے۔ اگرچہ بے نظیر بھٹو کے اس دوسرے دور اقتدار میں فرقہ وارانہ فسادات اور علماء کے قتل اور پکڑ دھکڑ کی وجہ سے' اس جماعت کو حکومت سے کچھ شکوے بھی پیدا ہوئے۔ بہرحال فطری طور پر اس کا رجحان پیپلز پارٹی کی طرف ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل تشیع کی اکثریت کا ووٹ پیپلز پارٹی کو ہی پڑتا ہے۔

جہاں تک معاملہ "سپاہ صحابہ پاکستان" کا ہے تو وہ اس وقت مسلم لیگ (ج) کی حلیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "سپاہ محمد" نے سابق حکومت پنجاب پر' جس کے وزیر اعلیٰ میاں منظور احمد وٹو تھے' جانبداری کا الزام بھی لگایا اور ایک خاص گروہ کو نوازنے کی بات بھی ان کی طرف سے مسلسل آتی رہی ہے۔ اگرچہ انہی دنوں "سپاہ صحابہ" کی طرف سے بعض اخباری بیانات اس قسم کے بھی آئے ہیں کہ وہ مسلم لیگ (ن) سے اتحاد کے بارے میں سوچ رہے ہیں لیکن پنجاب کے حالیہ سیاسی معرکے میں انہوں نے پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ج) کا کھلم کھلا ساتھ دے کر اور بعد میں پنجاب کی ایک وزارت لے کر مسلم لیگ (ن) کے ساتھ اتحاد کی تمام امیدیں گل کر دی ہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ مولانا اعظم طارق کی رہائی بھی اسی سودے بازی کا نتیجہ ہے۔

مندرجہ بالا تجزیہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کونسل میں شامل مختلف جماعتیں اگرچہ ایک خاص مقصد کے لئے تو ایک اتحاد بنانے میں کامیاب ہو گئی ہیں لیکن ان کی سیاسی وابستگیوں اور سیاسی رجحان کو

> **"اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ "ملی یکجہتی کونسل" نے اپنے سامنے جو مقاصد رکھے تھے' ان کے حصول میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے"**

سامنے رکھتے ہوئے شاید "جماعت اسلامی" کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے کہ کونسل ایک سیاسی اتحاد میں ڈھل جائے گی۔ ہم نے یہاں جماعت اسلامی کے اس "خواب" کا ذکر خواہ مخواہ نہیں کیا بلکہ ہماری اس بات کی تائید قاضی حسین احمد کا یہ بیان بھی کرتا ہے جو چند روز قبل روزنامہ "نوائے وقت" میں چھپا ہے کہ ہم کسی "گرینڈ الائنس" میں شامل نہیں ہوں گے بلکہ "ملی یک جہتی کونسل" کو ہی منظم کریں گے۔ بہرحال کونسل کی طرف سے اٹھائے گئے بعض اقدامات سے بعض تجزیہ نگار یہ اندازہ لگا رہے ہیں کہ جیسے یہ مذہبی اتحاد آہستہ آہستہ "سیاسی اتحاد" کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ کونسل کے چھٹے اجلاس میں' اس میں شامل دینی جماعتوں کی نمائندہ اعلیٰ اختیاراتی نو رکنی کمیٹی تشکیل دے دی گئی ہے۔ اس کمیٹی کے چیئرمین مولانا سمیع الحق ہوں گے۔ کونسل نے ایک "نفاذ شریعت کمیٹی" بھی تشکیل دی ہے۔ یہ کمیٹی پارلیمنٹ کے اندر اور باہر حکومت پر دباؤ بڑھانے کے لئے اقدامات اور تحریک کو کامیاب بنانے کے سلسلے میں اپنی سفارشات مرتب کرے گی۔ مذکورہ بالا اجلاس میں شرکاء نے واضح اعلان اور عہد کیا کہ ہمارے سیاسی راستے خواہ کتنے بھی الگ کیوں نہ ہوں' ملک میں شریعت مطہرہ کا نفاذ اور اصلاح معاشرہ کے لئے یہ کمیٹی جتنے بھی آئینی اور قانونی اقدامات اور اصلاحات تجویز کرے گی' ہم اس کے لئے ہر قسم کی متفقہ قربانی بھی دیں گے اور ہر ممکن کوشش بھی کریں گے۔

مندرجہ بالا بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ "ملی یکجہتی کونسل" سیاسی بنیادوں پر آگے بڑھ رہی ہے۔ تاہم یہ سوال بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ اس وقت ملک میں موجود دو جماعتی نظام اس طرح کے کسی اتحاد کو پروان چڑھنے بھی دے گا یا نہیں؟ اس لئے کہ اس اتحاد سے جہاں حکمران جماعت کو وقتی اور فوری نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہے' وہاں مسلم لیگ کو بھی اپنا سیاسی مستقبل خطرے میں پڑتا نظر آئے گا۔ چونکہ اس اتحاد میں شامل جماعتیں سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ مسلم لیگ پر ہی اثر انداز ہوں گی۔ ماضی کی طرح اس وقت بھی اسلام پسند قسم کے عوام کے ووٹ مسلم لیگ کو ہی ملنے کی توقع ہے جبکہ اس طرح کے اتحاد سے یہ ووٹ بینک ٹوٹنے کا خطرہ موجود ہے لہٰذا ہر دو جماعتیں اس اتحاد کے راستے میں رکاوٹ ڈالیں گی!

یہ بات بہت اہم ہے۔ کہ "سپاہ صحابہ" نے مولانا سیف اللہ خالد کے قتل کے ردعمل کے طور پر "ملی یک جہتی کونسل" سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے کونسل کے زعماء پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ کونسل کے مقاصد سے مخلص نہیں ہیں۔ اس کی دلیل "سپاہ صحابہ" نے یہ دی ہے کہ کونسل کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کونسل کے رہنما وقت نہیں دیتے۔ ان حضرات کی کچھ دوسری سیاسی مصروفیات اور ترجیحات ہیں۔ چنانچہ کونسل کے صدر بیرون ملک کے دوروں پر رہتے ہیں سیکریٹری جنرل صاحب بھی کچھ دوسرے اہم کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے محسوس ایسے ہوتا ہے کہ "ملی یک جہتی کونسل" کا اتحاد شائد زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکے۔ مولانا سیف اللہ خالد کے قتل میں ہم اس امکان کو بھی رد نہیں کر سکتے کہ یہ قتل "ملی یک جہتی کونسل" کو منتشر کرنے کی ہی سازش ہو!!۔ اگر یہ سازش ہے تو کونسل کے زعماء کو چاہئے کہ وہ اس کو ناکام بنا دیں اور فرقہ واریت کے حوالے سے جو امن کی صورت حال پیدا ہوئی تھی اس کو برقرار رکھیں۔

بہرحال اس طرح کے "سیاسی اتحاد" کے قیام کے امکانات کس حد تک ہیں' اس کا جائزہ ہم نے ان تمام جماعتوں کے سیاسی رجحانات و میلانات اور ماضی کی حکمت عملی کی روشنی میں لیا ہے۔ لیکن راقم کی ناقص رائے کے مطابق "ملی یکجہتی کونسل" کو اپنے

دائرہ کار کو بڑھانا چاہئے۔ اس کی کئی ایک صورتیں ممکن ہیں۔ چونکہ یہ تمام جماعتیں صرف مذہبی گروہ نہیں ہیں بلکہ باقاعدہ سیاسی جماعتیں بھی ہیں لہٰذا انہیں "سیاسی اتحاد" کی صورت کو ہی اختیار کرنا چاہئے۔ اس مجوزہ سیاسی اتحاد کو آئندہ الیکشن بھی مشترکہ پلیٹ فارم سے ہی لڑنا چاہئے۔

اگر مذہبی سیاسی جماعتوں کا مجوزہ سیاسی اتحاد وجود میں آجاتا ہے تو اس کے اثرات ہمارے سیاسی کلچر پر بہت دور رس نتائج کے حامل ہوں گے۔ اس اتحاد کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ اسلام پسند ووٹ مختلف مذہبی سیاسی جماعتوں میں منقسم ہونے سے بچ جائے گا۔ اگر ہم ماضی کی سیاسی و انتخابی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ بات بہت واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ جب مذہبی سیاسی جماعتوں نے ایک دوسرے کے مقابلے پر اپنے امیدوار کھڑے کئے تو نتیجتاً اسلام ایک سیاسی ایشو بن کر رہ گیا۔ اس طرح دونوں نے اپنا اپنا الگ اسلام متعارف کرایا۔ اس طرح کے طرز عمل سے جہاں عوام الناس کا اعتماد علماء سے اٹھا' وہیں اسلام سے بھی دوری ہوتی چلی گئی' اور اس کے علاوہ شکست بھی علماء کا مقدر ٹھہری!

اس مجوزہ سیاسی اتحاد کا دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ عوام الناس میں جو یہ تصور پایا جاتا ہے کہ "مولوی" اکٹھے نہیں ہو سکتے' وہ یہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اگر علماء عوام کا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو کامیابی کے بھی امکانات زیادہ ہوں گے۔ اس طرح اسمبلی میں پہلے کی نسبت زیادہ سیٹیں ملنے کا امکان ہو گا۔

تیسرا فائدہ یہ ہو گا کہ انتخابات کے موقع پر عوام کے سامنے کوئی تیسرا Choice بھی موجود ہو گا۔ اس وقت تو صورت حال یہ ہے کہ لوگ ملک میں موجود دونوں بڑی سیاسی جماعتوں میں سے کسی ایک کے انتخاب پر مجبور ہیں۔ ان کے سامنے فی الحال "کم تر برائی" والا فلسفہ پورے شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے' جس پر وہ عمل پیرا ہیں۔ جبکہ دینی سیاسی جماعتوں کا اتحاد عوام کو ایک تیسرا راستہ سجھائے گا۔

مجوزہ اتحاد کا چوتھا فائدہ یہ ہو گا کہ ملک میں سیکولرازم اور اسلام کی واضح تقسیم ہو جائے گی۔ اگرچہ ملک کی بہت بڑی اکثریت جو جاگیرداروں کے شکنجے میں ہے' وہ تو انہیں ہی منتخب کرے گی' تاہم شہروں کی حد تک واضح ہو جائے گا کہ کتنے لوگ اسلام کو پسند کرتے ہیں۔

اس اتحاد کا پانچواں فائدہ یہ ہو گا کہ اگر عوام کی بھاری اکثریت علماء کو مسترد کر دیتی ہے اور ماضی کی طرح اسمبلی کی چند سیٹیں ہی ان کا مقدر ٹھہرتی ہیں تو ان کے لئے موقع ہو گا کہ وہ سوچیں کہ اصل خرابی کہاں ہے ۔ وہ اس طرح بھی سوچ سکتے ہیں کہ سیاست میں آنے سے پہلے انہیں کونسا بنیادی کام کرنا چاہئے تھا جو نہیں ہوا۔ وہ شاید سنجیدگی سے سوچیں کہ کہیں تطہیر افکار کا عمل رکا تو نہیں ہوا' جس کا نتیجہ شکست کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ ان میں سے بعض شاید اس طرح سوچیں کہ ملک میں موجود جاگیردارانہ استحصالی نظام کو انتخابی معرکوں سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا!! پھر آگے چل کر وہ یہ بھی سوچیں گے کہ اگر نہیں کیا جا سکتا تو اس کا متبادل راستہ کون سا ہے؟ ممکن ہے وہ اس کے بعد ان لوگوں کی بات بھی سننا شروع کر دیں' جن کی عددی قوت تو نہیں ہے لیکن وہ فکری اعتبار سے مضبوط ہیں اور نظام کی تبدیلی کے لئے ایک مکمل لائحہ رکھتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس سے بہت بڑا خیر برآمد ہو سکتا ہے۔

عموماً عوام اور خواص' خصوصاً مذہبی سیاسی جماعتوں کے کارکنان میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اگر تمام مذہبی سیاسی جماعتیں اکٹھی ہو جائیں اور مل کر انتخابات میں حصہ لیں تو سیکولر جماعتوں کا راستہ روکا جا سکتا ہے نیز کامیابی کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ اگر یہ سیاسی اتحاد وجود میں آجائے تو یہ تاثر یا تو صحیح ثابت ہو جائے گا یا زائل ہو جائے گا۔ اس طرح وہ نظام کی تبدیلی کے لئے کچھ دوسرے خطوط پر بھی سوچنے پر مجبور ہوں گے۔

لہٰذا میری رائے میں علماء کی ان جماعتوں کو چاہئے کہ وہ دوسرے ہم خیال لوگوں کو بھی ساتھ ملائیں۔ میری مراد "ہم خیالوں" سے یہ ہے کہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس ملک کے نظام کی تبدیلی انتخابی سیاست کی مرہون منت ہے۔ اس کام کے لئے انہیں اپنی انا کی قربانی بہرحال دینا پڑے گی لیکن ان کی یہ قربانی آخر کار رنگ ضرور لائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اکابرین کو ان خطوط پر سوچنے کی توفیق عطا فرمائے۔OO

بقیہ : بقیہ اخبارات سے اخبارات تک

ہے' اس ساری رقم میں' ایک ہزار روپے درمیان والوں کی جیب میں چلے جاتے ہیں جبکہ کچھ رقم پولیس والوں کی مٹھی گرم کرنے کے لئے مختص ہوتی ہے"۔ ایک ایسے "درمیان والے" شخص نے کہا جو اونچی سوسائٹی سے رابطہ رکھتا ہے۔ "گو کہ میں ہر ماہ اچھی خاصی رقم کما لیتا ہوں لیکن میری پہلے کی آمدنی کی نسبت اس کی حیثیت مونگ پھلی کی ہے جبکہ میرے پاس موبائل فون اور "بیجر تھے"۔ اس نے کہا۔ ان دلالوں کو اپنے گاہکوں کے معزز ہونے کا خیال تو رکھنا ہی پڑتا ہے۔ بڑے لوگ جو چاہتے ہیں کہ ہر شے ان کے گھروں پر مہیا ہو اور وہ بھی خفیہ طور پر۔ گاہکوں کے لئے راز داری بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے' اگر موبائل موجود نہ ہو۔ "اللہ حکومت اور ان دہشت گردوں کو عقل سلیم عطا کرے۔ انہوں نے ہماری زندگی برباد کر رکھی ہے"۔ ایک معروف "درمیان والے" نے کہا۔

"جی ہاں اسے کہتے ہیں "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"۔ کاش کہ کچھ فکر ہمیں بھی ہو جائے۔ ہم جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کا زعم رکھتے ہیں۔ اگر ہماری فکر خواب غفلت سے بیدار ہو جائے تو یہ ذرائع ابلاغ ٹیلی ویژن' ریڈیو' اخبارات و جرائد فحاشی کے فروغ کا تصور بھی نہ کر سکیں۔ اے کاش"۔

بقیہ : توجہ طلب

سکتے ہیں اور شیطان سے لڑنے میں ویسے ہی زیرک اور ہوشیار ثابت ہوتے ہیں کہ جیسا کہ خود وہ۔ لہٰذا خلق خدا کی تعلیم و تربیت میں ان لوگوں کی نفسیات ہی سے باخبر ہونا ضروری نہیں جن کی اصلاح کا ہم نے بیڑا اٹھایا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس سبق پر بھی زور دیتے رہیں جو تاریخ سے ہمیں ملتا ہے اور جس کے لئے ہمیں بڑی زبردست اور خوفناک قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

اندریں صورت میں پھر عرض کروں گا کہ آپ عوام کی تربیت کے لئے جو لائحہ عمل مرتب کریں بڑی احتیاط' بار بار کی نظر ثانی' تنقیح اور تخصص سے کریں' بلکہ اگر ممکن ہو تو مساجد اور مدارس کا نصاب تعلیم بھی اس میں شامل کر لیجئے۔ انسان کی نجات کا فریضہ خدا کے نیک بندوں کی انفرادی کوششوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ فریضہ کسی شخص کے زیر ہدایت اور ایک مرکزی نظام کے ماتحت ادا ہو۔

زیادہ آداب' تسلیمات اور اس امر کی معذرت کہ میں نے آپ کا اتنا وقت لیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی کوششیں بار آور ہوں گی اور خدا ان کو برکت دے گا۔ (بشکریہ : ماہنامہ "الشریعہ" مئی ۱۹۹۵ء)

نظامِ خلافت برپا کرنا ہماری اجتماعی فریضہ ہے

ایک منظم اجتماعی قوت کے بغیر نظام کی تبدیلی دیوانے کا خواب اور مجذوب کی بڑ ہے!!

محض دستوری سطح پر اللہ کی حاکمیت کا اقرار نظام کی تبدیلی کے لئے کافی نہیں ہے

ہمایوں افضال شیروانی کے "سوال نامے" کے جواب میں ندائے خلافت کے مستقل قلمی معاون سردار اعوان کی معروضات

س : کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ نظام خلافت قائم کرنے کا طریقہ کیا ہو گا؟

ج : نظام خلافت کا قیام ہماری ایک ناگزیر ضرورت ہی نہیں' اس کے لئے جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا سب سے اہم اور اولین دینی فریضہ بھی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نظام کو چھوڑ کر کسی بھی دوسرے نظام کی مستقلاً اطاعت قبول کر لینا حقیقت کے اعتبار سے شرک اور کفر ہے لہٰذا ایک غیر اسلامی نظام کے خلاف جدوجہد تو ہر حال میں لازم ہے البتہ اس کے بالفعل قیام کے لئے معتدبہ تعداد میں ایسے لوگ چاہئے ہوں گے جو اپنی یہ دینی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہوں۔ یہ لوگ ایک قیادت میں منظم ہو کر ایک جماعت کی شکل میں طاقت بنیں۔ جب بظاہر احوال یہ طاقت اتنی مضبوط ہو کہ باطل نظام سے ٹکرلے سکے تو میدان میں آ کر اسے چیلنج کرے۔ پھر تخت یا تختہ۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہو گا تو باطل کا خاتمہ اور اور حق کا غلبہ ہو جائے گا ورنہ یہ کہ ہم اللہ کے حضور کہہ سکیں گے کہ ہمارے بس میں جو تھا' ہم نے کوشش کی۔

آج کے دور میں ہمارے نزدیک اس کے لئے ایک ہی طریقہ موثر ہو سکتا ہے اور وہ ہے پرامن مظاہرے اور گھیراؤ۔ بشرطیکہ اس میں کسی قسم کی توڑ پھوڑ اور تخریب کاری نہ ہو بلکہ انتہائی منظم طریقے سے میدان میں آ کر ایک ہی دفعہ منکرات کا راستہ روک دیا جائے۔ بہرحال جب تک ایسی منظم طاقت فراہم نہ ہو ایک ہی کام کرتے رہیں۔ قرآن کی دعوت' تعلیم' تربیت اور تزکیہ۔

س : کیا یہ طریقہ قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ سے ثابت ہے؟

ج : جہاں تک ابتدائی کام کا تعلق ہے' یعنی قرآن کی دعوت' تعلیم' تربیت اور بیعت کی بنیاد پر منظم جماعت بلاشبہ قرآن و سنت پر مبنی ہے۔ پرامن مظاہرے اور گھیراؤ نئی حکمت عملی ہے جو آج کے دور کی ایجاد ہے جو بہرحال خلاف اسلام ہرگز نہیں۔ اس کے علاوہ الیکشن کے راستے سے نظام کی تبدیلی کا سرے سے کوئی امکان نہیں اور نہ ہی براہ راست فوج اور پیرا ملٹری فورسز کے خلاف کوئی جماعت جنگ کر سکتی ہے۔ اسی طرح کمیونسٹ طرز کی چھاپہ مار جنگ سے بھی خون خرابے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا آ جا کے یہی ایک طریقہ رہ جاتا ہے جس سے کامیابی کا امکان ہو سکتا ہے۔

س : پاکستان میں اگر آج حکومت نظام خلافت کا اعلان کر دے تو یہ آپ کے لئے قابل قابل ہو گا۔ کیا اس سے فوراً مثبت نتائج برآمد ہوں گے؟

ج : پاکستان میں حکومت دستوری سطح پر اگر قرآن و سنت کی بلا استثناء اور غیر مشروط بالادستی کا اعلان کر دے تو ہم یقیناً اس کا خیر مقدم کریں گے۔ اس سے قانوناً جس طرح ہم انفرادی طور پر مسلمان ہیں اجتماعی سطح پر بھی ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ ہم تو اس سے قبل قرارداد مقاصد کی منظوری اور سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی بھی بھرپور تائید کرتے ہیں حالانکہ ان سے عملاً کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ لیکن ظاہر ہے اس کے نتائج تو اسی صورت میں برآمد ہوں گے جب ہم اس کے مطابق عمل کریں گے۔ جس طرح محض قانونی یا نسلی مسلمان ہونے سے اسلام کے سارے تقاضے از خود پورے نہیں ہو جاتے اسی طرح اسلامی دستور سے از خود مثبت نتائج برآمد ہونا بعید از قیاس ہے۔ پاکستان میں کسی بھی عادلانہ نظام کی راہ میں سب سے بڑی دو رکاوٹیں ہیں یعنی جاگیرداری اور سودی نظام' جنہیں دور کرنے کے لئے لامحالہ ایک منظم عوامی قوت درکار ہو گی۔

> **"ترکی میں 1924ء میں خلافت کا خاتمہ ترک اور دیگر مسلمانوں کا فیصلہ نہیں یورپ والوں کی سازش تھی۔ ترک یورپ کا "مرد بیمار" بھی اس لئے تھا کہ یورپ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جو ترقی رونما ہو رہی تھی اس میں وہ مسابقت برقرار نہیں رکھ سکا تھا"**

س : نظام خلافت اور امریکہ کے صدارتی نظام میں کیا فرق ہے۔ ایوب خان کا صدارتی نظام کیوں ناکام ہوا؟

ج : نظام خلافت اور امریکہ کے صدارتی نظام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نظام خلافت میں قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکتی۔ اگر سو فیصد اکثریت حاصل ہو' تب بھی نہیں جبکہ امریکہ کے آئین کے تحت عوام کے منتخب کردہ نمائندوں پر

اس قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ اس کے علاوہ انتظامی لحاظ سے امریکہ کا صدارتی نظام' نظام خلافت کے قریب تر ہے۔ ایوب خان کا "صدارتی نظام" مارشل لاء کی توسیع تھی اسے صدارتی نظام کا نام دینا درست نہیں۔ چونکہ وہ شخصی آمریت پر مبنی نظام تھا اس لئے اسے ناکام ہونا ہی تھا جبکہ نظام خلافت میں عوام کو رائے دہی کا پورا حق حاصل ہو گا۔

س : کیا نبیؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کے درمیان چپقلش اقتدار کی جنگ تھی؟ اور اب بھی وہی صورتحال نہ ہو گی؟

ج : خلافت راشدہ کا دور تو یقیناً اقتدار کی جنگ سے پاک تھا بلکہ اس کی مثال تو پوری تاریخ انسانی میں نہ پہلے موجود تھی نہ آئندہ تا قیامت ہو سکتی ہے۔ خلافت راشدہ کے آخری حصے یعنی حضرت علیؓ کے دور میں جو شورش رونما ہوئی تھی وہ سراسر سبائی فتنہ تھا اور کسی بھی ملک میں اس طرح کا فتنہ کھڑا کرنا کوئی انہونی بات نہیں۔ خلافت راشدہ کے بعد بہرحال زوال آنا شروع ہوا اور اس میں کم و بیش وہ ساری خرابیاں آتی رہیں جو حکمرانوں میں ہوتی ہیں۔

اب تو جو صورتحال دنیا میں ہو چکی ہے اس سے لوگ پناہ طلب کر رہے ہیں سرمایہ داری کی لعنت نے انسانوں کو معاشی حیوان بنا دیا ہے اور یہ تو مہذب دنیا کی بات ہے پاکستان میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے جو لوٹ مچا رکھی ہے اس سے بدتر صورتحال کا تو تصور بھی ممکن نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خلافت بعد میں ملوکیت میں تبدیل ہو گئی تھی لیکن عدل و انصاف اور امن و امان کے لحاظ سے خلافت کا بدترین دور بھی آج کے ترقی یافتہ ممالک سے بہتر تھا۔

باقی اب اس طرح کی ملوکیت اور شہنشاہیت تو دوبارہ لوٹ کر دنیا میں نہیں آ سکتی۔ معاشرے سے ظلم اور استحصال کا قلع قمع ہو جائے تو سیاسی جماعتیں موجود ہوں گی ان کے ذریعے لوگوں کی سیاسی تربیت بھی ہوتی رہے گی اور اقتدار میں آنے کا راستہ بھی کھلا رہے گا۔ جھگڑا کس بات پر ہو گا۔

س : ترکی میں خلافت موجود تھی اس کے باوجود وہ یورپ کا "مرد بیمار" تھا لیکن خلافت کے خاتمے کے بعد وہ آج مسلم دنیا کا سب سے ترقی یافتہ اور مضبوط ملک ہے' کیا وجہ ہے؟

ج : یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ دنیا میں آج مسلمانوں کی جو ذلت و رسوائی ہو رہی ہے وہ اسلام کے سبب ہو رہی ہے۔ خلافت قائم کرنا اور قائم رکھنا مسلمانوں کا دینی فریضہ اور اسلام کا جزو لازم ہے۔ ویسے ترکی میں ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ ترکوں اور دیگر مسلمانوں کا فیصلہ نہیں' یورپ والوں کی سازش تھی۔ ترکی اس لئے یورپ کا "مرد بیمار" تھا کہ یورپ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جو ترقی رونما ہو رہی تھی اس میں وہ مسابقت برقرار نہیں رکھ سکا تھا لیکن اس میدان میں ترکی سمیت ساری مسلم دنیا آج بھی اسی مقام پر ہے' جہاں تک ترکی کے ترقی یافتہ اور ایک مضبوط ملک ہونے کا معاملہ ہے' یہ بھی محض ایک گمان ہے۔ سوائے مغربی کلچر کے وہاں کسی میدان میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ اسی طرح اس کی "مضبوطی" کا سارا دارومدار امریکی اسلحہ پر ہے جو صرف کردوں یا حکومت کے مخالفین کو دبانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حالانکہ بوسنیا کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ ترکی سے امداد کی توقع تھی مگر جو خود کسی کا محتاج ہو وہ دوسروں کی کیا امداد کرے گا۔ عالمی سطح پر جو حال دوسرے مسلم ممالک کا ہے وہی ترکی کا ہے لیکن اس لحاظ سے ترکی کا معاملہ زیادہ مایوس کن اور ہتک آمیز ہے کہ ہر قسم کے پاپڑ بیلنے کے باوجود اسے یورپی برادری میں ایک کم ترین درجہ بھی حاصل نہیں ہو سکا۔

س : سعودی عرب میں نظام خلافت نہیں اس کے باوجود وہ ایک امیر ترین ملک ہے۔ جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اسلامی سزائیں رائج ہیں جو اسلامی نظام کا حصہ ہیں۔ نظام خلافت کی صورت میں وہاں مزید کیا تبدیلی رونما ہو گی؟

ج : نظام خلافت سے خاندانی بادشاہت باقی نہیں رہے گی۔ عوام کے سیاسی حقوق بحال ہوں گے' انہیں اظہار رائے کی آزادی ہو گی۔ تیل کی دولت شاہی خاندان کی بجائے ملک اور عوام کے مفاد میں خرچ ہو گی' وسائل اور دولت کی منصفانہ تقسیم اور سود سے پاک معیشت کے نتیجے میں ارتکاز دولت کی وہ لعنت ختم ہو جائے گی جس نے عرب شیوخ کو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی حفاظت کے لئے سعودی عرب کو امریکہ کی محتاجی نہیں رہے گی۔ یہ حرام کی جمع کی ہوئی دولت ہے جس کی وجہ سے مسلمان دنیا کی ہر شے سے خوف اور خطرہ محسوس کرتا ہے کہ کہیں اس سے یہ دولت چھن نہ جائے۔

س : دوسری مذہبی جماعتیں اور تحریکیں آپ کی تحریک کا ساتھ کیوں نہیں دیتیں' کیا وہ سیدھی راہ پر نہیں؟

ج : کسی بھی مقصد کے حصول اور تکمیل کے لئے ایک سے زائد طریقے ہو سکتے ہیں۔ کسی جماعت یا تحریک کی قیادت اپنے لئے کوئی بھی طریقہ موزوں سمجھ کر اختیار کر سکتی ہے اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ دوسروں کے نزدیک وہ طریقہ انتہائی غیر موزوں ہو۔ اس لئے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دوسری جماعتوں اور تحریکوں کو ہمارے طریقہ کار سے اختلاف ہو گا جو الگ رہ کر یہ کام کر رہی ہیں لیکن ہم یہ فیصلہ صادر نہیں کر سکتے کہ ہمارے علاوہ دوسرے سیدھی راہ پر نہیں ہیں۔OO

بقیہ : ایک یادگار تحریر

جماعت سازی کے مغربی طور طریق کی اندھی تقلید کی بجائے دور جدوجہد میں اپنی اسلامی جماعت کے نظم کے لئے بیعت سمع و طاعت فی المعروف کا مسنون و ماثور طریقہ اپنایا۔ اس پر بیگانوں کی طرف سے ہنسی اڑانے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے' طرفہ تماشا یہ کہ خود اہل دین و مذہب بھی ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ اپنے اسلاف کے عمومی طرز عمل کی پیروی کو ایک خاص پہلو اور بہت نچلی سطح تک محدود رکھنے والوں کو یہ جدت اور روشن خیالی مبارک ہو' تنظیم اسلامی نے قرآن و سنت کے عروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی سے تھاما اور اپنی قدامت پسندی پر ہمیشہ فخر و مباہات کا اظہار کیا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد نے کبار علمائے دین کو بھی اپنے رفقاء' اپنے کل اثاثے کو سامنے بٹھا کر مودبانہ یہ صلائے عام دی کہ جماعت سازی کی بیعت سمع و طاعت فی المعروف کے سوا کوئی اساس کتاب و سنت اور سلف صالحین کے متواتر عمل سے ملتی ہو تو بتائی جائے تاکہ ہم اسی کو اختیار کر لیں لیکن معلوم ہوا کہ کم از کم ایک اسلامی انقلابی جماعت کے لئے اس کے سوا کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔OO

(مطبوعہ ہفت روزہ "ندا" ۲۷ مارچ ۹۰ء)

بقیہ : نقطۂ نظر

معاشرے میں رہنا چاہتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ آگے آئیں اور منظم ہو کر اس ملک سے جاگیرداری اور سود پر مبنی سرمایہ داری کے خاتمے کی جدوجہد کریں۔ اس کے بعد ہی وہ عادلانہ نظام یہاں لایا جا سکتا ہے جس کے لئے مہاجروں نے گھر بار چھوڑے' لاکھوں جانوں کی قربانی دی اور ہزاروں عصمتیں لٹائیں اس کے بغیر اگر کوئی شخص لوگوں کو خوشحالی اور امن و چین کے سبز باغ دکھاتا ہے تو وہ نرا دھوکہ ہے۔OO

احیائے اسلام کی راہ کی ایک بڑی رکاوٹ نیم خواندہ "اہل علم و فکر" ہیں!

کوئی فکری تحریک روشن مستقبل کی خاطر "حال" سے لاتعلق نہیں رہ سکتی

ماضی میں اہل مذہب سے بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں!!

ایک انگریز پولیس افسر کی چشم کشا باتیں

قیام پاکستان کے بعد مغربی پنجاب کی حکومت نے ایک محکمہ "محکمہ احیائے ملت اسلامیہ" کے نام سے قائم کیا جس کے تحت ایک علمی و فکری مجلّہ "عرفات" کا آغاز ہوا عرفات کے پہلے شمارہ میں مغربی پنجاب کی بارڈر پولیس کے کمانڈنٹ جناب ای این ایڈورڈز کا مندرجہ ذیل مراسلہ شائع ہوا جو قارئین کی دلچسپی کے لئے درج ہے۔ (ادارہ)

لاہور چھاؤنی --- ۱۰ فروری ۱۹۴۸ء

مکرمی اسد صاحب

محکمہ احیائے ملت اسلامیہ کے متعلق آپ کا پمفلٹ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی اور میں نے بڑے غور و خوض سے مطالعہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں آپ کا مقصد یہ بھی ہے کہ منجملہ دوسری باتوں کے رفتہ رفتہ مساجد اور مدارس کے ذریعے عامۃ الناس کی تربیت کریں' لہٰذا اس خیال کے پیش نظر چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں:

آپ کو شاید خود بھی احساس ہو گا کہ جو لوگ دینی تعلیم و تربیت کے ایک باقاعدہ نظام کے ماتحت دنیا کو پھر اللہ کے راستے پر واپس لانے کے آرزو مند ہیں ان کے لئے دو خطرے ہیں۔

پہلا خطرہ وہ ردعمل ہے جس سے کسی ملت کو دینی احیاء کے دور میں ہمیشہ سامنا پیش آتا ہے۔ ذہن انسانی کی ترکیب ہی کچھ ایسی ہے کہ اس ردعمل سے بچنا محال ہے۔ دنیا کی ہر تہذیب کو اس سے سابقہ پڑا اور تاریخ کے ہر عہد میں اس کا ظہور ہوا۔ انگلستان ہی کو دیکھ لیجئے' مابعد وکٹوریا اخلاقی انتشار کے دور میں یہ ردعمل صاف صاف نمایاں ہے' پھر چند صدیاں اور پیچھے چلے جایئے تو پیورے ٹن (Puritan) عہد کے خاتمے پر جو فسق و فجور پھیلا اسی ردعمل کی بدولت۔ اس افراط و تفریط سے مفر کی بہرحال کوئی صورت نہیں' لہٰذا ناممکن ہے کہ پاکستان اس سے مستثنیٰ رہے۔

دوسرا خطرہ ان لوگوں کے غرور کا ہے جو بعض کچی پکی علمی معلومات کی بنا پر اپنا شمار "اہل فکر" میں کرنے لگتے ہیں' بلکہ ہمیں کہنا چاہئے کہ اس استہزا پسند طائفے کا طعن و تشنیع تو ابھی سے سننے میں آ رہا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ موجودہ ریاست کی از سر نو تعمیر میں جب ہمیں اور زیادہ سختی اور درشتی سے کام لینا پڑے گا تو اس قسم کے خام اور کچے پکے "اہل فکر" کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

میرے نزدیک اس دوسرے خطرے کا امکان بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی چیز اتنی خطرناک نہیں جتنی نیم علمی یا جہل مرکب۔ کتنے لوگ ہیں جن کو یہ معلوم ہے کہ اس زمانے کے اکابر سائنس دان مذہب کے حق میں ہیں اور کتنے ہیں جو اس بات کو سمجھ کر اس کے نتائج کا اندازہ کر سکتے ہیں؟ اصل میں مشکل یہ ہے کہ عام تعلیم کا قدم سائنس کے اکتشافات اور تحقیق و تفتیش سے ہمیشہ پچاس برس پیچھے رہا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آئندہ دس بیس برس میں بھی تعلیم یا اخبارات و رسائل کے ذریعے اس ملک میں عام طور سے جو معلومات پھیلیں گی ان سے تشکیک اور بے یقینی کا وہی دور دورہ شروع ہو گا جس میں سردست یورپ مبتلا ہے اور جو اب کہیں جا کر انیسویں صدی کی ان مادی تعلیمات کو سمجھ رہا ہے جو اس زمانے کے علمائے طبعیات نے پھیلائی تھیں' حالانکہ جدید افکار و خیالات نے پھر سے خدا کی ہستی کو تسلیم کر لیا ہے اور لطف یہ ہے کہ خود زمانہ بھی اس امر کا مقتضی ہے کہ ہم پھر بچوں کے سے بھولے پن کے ساتھ خدا پر اعتماد کرنا سیکھیں جیسا کہ پہلے کبھی کیا کرتے تھے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آیا پاکستان اس درمیانی زمانہ کی المناک صورت حالات سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ کیوں نہیں' بشرطیکہ وہ دونوں خطرات جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے ہمارے سامنے رہیں۔ پھر اسلام میں دو خوبیاں ایسی ہیں جن سے آپ کو اس کام میں بالخصوص مدد ملے گی۔ اول یہ کہ اس نے بچوں کے سے بھولے پن کے ساتھ رضائے الٰہی پر مسلمہ طور پر واحد سرچشمہ حکمت و دانائی سے چلنا ٹھہرایا اور ایک مخصوص ضابطے کی مدد سے ذہن کو اس کی قبولیت پر آمادہ کیا۔ ثانیاً اس کی تعلیمات صرف نجی زندگی تک محدود نہیں' بلکہ حیات اجتماعیہ کا ایک نظام بھی پیش کرتی ہیں۔ ممکن ہے آپ یہ کہیں کہ جب میں عیسائی ہوں تو ان باتوں کا اقرار کیوں کر رہا ہوں۔ یہ اس لئے کہ میرے نزدیک عیسائیت صرف ایک مسلک حیات

> **"عیسائیت صرف ایک مسلک حیات ہے' ہر لحظہ بڑھتی ہوئی روحانی زندگی کی تحریک نہیں کرتا' وہ صرف اہل فکر یا ان لوگوں کا مذہب ہے جن کے شکم پر ہیں اور جن کے پاس اتنا وقت ہے کہ داخلی اور مجرد افکار کا لطف اٹھا سکیں' عیسائیت نے نفس انسانی کا بالکل خیال نہیں رکھا"**

ہے' ہر لحظہ بڑھتی ہوئی روحانی زندگی کی تحریک نہیں کرتا' لہٰذا وہ صرف اہل فکر یا ان لوگوں کا مذہب ہے جن کے شکم پر ہیں اور جن کے پاس اتنا وقت ہے کہ داخلی اور مجرد افکار کا لطف اٹھا سکیں۔ عیسائیت نے نفس انسانی کا بالکل خیال نہیں رکھا' یہی وجہ ہے کہ اس نے شر کی حقیت کا اعتراف کرتے ہوئے بھی انسان کے بے بس دل و دماغ پر کوئی ایسا عملی ضابطہ عائد نہیں کیا جس کی بدولت وہ خود اپنے ضمیر اور اپنی طبیعت میں نظم و ضبط یا تہذیب و شائستگی کا جوہر پیدا کر سکتا۔

لہٰذا اپنے اس عقیدے کے ماتحت کہ نوع انسانی کی مشعل نجات صرف اسلام کے ہاتھ میں ہے' کیونکہ وہ مذہب کے ایک عملی نظام' ایک روحانی ضابطے اور اجتماعی غور و تفکر سب کو باہم جمع کر دیتا ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ اس کی قوتوں کے استحکام کی دل و جان سے کوشش کی جائے۔

لہٰذا گزارش ہے کہ ملت کی تعلیم و تربیت میں صرف مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے کہیں موجودہ تخریبی دور سے اپنی آنکھیں بند نہ کر لیجئے گا۔ مسلمانوں کو اس غلطی سے بچتے رہنا چاہئے جو مسیحی اولیاء نے کیں یعنی اپنے وقت کی تحریکوں سے جان بوجھ کر اغماض' خواہ وہ علمی ہوں یا فلسفیانہ۔ اس سے بھی زیادہ اہم ایک گھٹیا سی مادیت کا وہ خطرہ ہے جو سائنس میں تھوڑی بہت شدبد رکھنے سے پیدا ہو جاتی ہے اور جس سے غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ جب کبھی نیم علمی کا تصادم مذہب سے ہوا فتح ہمیشہ نیم علمی کی ہوئی' کیونکہ عام آدمی کا غرور نفس مجبور کر دیتا ہے کہ ان غیر مذہبی معلومات ہی کو ترقی کا مترادف قرار دے جن سے وہ خود آگے نہیں بڑھ سکا۔ اہل مذہب نے اس حقیقت کو ہمیشہ نظر انداز کیا اور اس سے زیادہ اور کسی بات سے اسے نقصان نہیں پہنچا۔ یوں عام آدمی اپنے غرور نفس میں مبتلا رہے اور ارباب مذہب اپنے۔ لہٰذا شیطان کو اس سے زیادہ مسرت کیا ہو سکتی ہے کہ دانائی جہالت سے آنکھیں پھیر لے۔

اندریں صورت آپ کے لئے صحیح طریقہ کار یہ ہو گا کہ جو کچھ کیجئے ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے کیجئے جو اس وقت عام علمی معلومات کے ذریعے پھیل چکی ہیں۔ پھر جب میں علمی معلومات کا نام لیتا ہوں تو اس کا اشارہ علوم طبعی (سائنس) کی طرف نہیں بلکہ اخلاقی' معاشی اور فلسفیانہ علوم کی طرف بھی ہے۔ علم و حکمت کی تشریح بہرحال ضروری ہے اس کے ظاہراً اور نادانی کے "اختلافات" کو جن پر سطحی قسم کے انسان ہمیشہ کڑھتے رہتے ہیں یونہی ٹال دینا اتنا اچھا نہیں جتنا ان میں اور وحی الٰہی کی تعلیمات میں مفاہمت پیدا کرنا۔ ہم علم و حکمت کے مراتب عالیہ سے بے پروا کیسے گزر سکتے ہیں۔ ہمیں چاہئے اس کا دامن مذہبی تعلیمات سے جوڑ دیں بلکہ اگر آپ پسند کریں تو یہ کہوں کہ خود علم و حکمت کو مذہب میں شامل کر لیں۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ پر مسلم ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان میں سے بعض آپ کے زیر غور آ چکی ہیں اس سے پیشتر کہ میں ان کو ایک عام اور فرسودہ انداز میں آپ کے سامنے پیش کرتا۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں صرف اس مخلصانہ خواہش کی بنا پر کہ آپ کی کوششوں کو آج ہی نہیں آگے چل کر بھی کامیابی ہو۔ ہماری عظمت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہم کس حد تک شر کا استیصال کر

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

بھوک اور موت کا خوف

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

پانچ سال قبل' ۶ اگست کو امریکہ کی شہ پر اقوام متحدہ نے عراق کے خلاف جو اقتصادی پابندیاں عائد کی تھیں ان کے نتیجے میں اب تک ۵ لاکھ سے زائد انسانی جانیں ضائع ہو چکی ہیں مگر باقی دنیا کو تو چھوڑیئے خود مسلمانوں کو اس کی پرواہ نہیں۔ یونیسف والوں کا اپنا یہ بیان ہے کہ ۶ اگست ۱۹۹۰ء کے بعد ۵ سال سے کم عمر بچوں میں اموات کی شرح ۵ گنا ہو گئی ہے۔ جبکہ شیر خوار بچوں کی شرح اموات ۷ گنا بڑھی ہے۔ انہی ذرائع کا کہنا ہے کہ اب تک ساڑھے تین لاکھ سے زائد چھوٹے بچے ہلاک ہوئے ہیں اس لئے کہ عموماً سب سے زیادہ بچے ہی ناگوار حالات سے متاثر ہوتے ہیں۔

اقتصادی پابندیاں لگنے سے قبل عراق ہر ماہ ۲۵۰۰ ٹن دودھ کے اجزا درآمد کرتا تھا جن سے وہ بڑے فخر سے ڈینگیں مارتا تھا کہ وہ واحد عرب ملک ہے جو فوری حل ہونے والا دودھ تیار کر سکتا ہے حالانکہ اس میں فخر کرنے والی کوئی بات تھی ہی نہیں کیونکہ اجزاء کی نسبت بنا بنایا دودھ درآمد کرنا سستا پڑتا ہے اور ویسے بھی کسی ملک کے لئے اپنی ضرورت کا ۸۰ فیصد دودھ باہر سے درآمد کرنا کون سی فخر کرنے والی بات ہے۔ چنانچہ عالم عرب میں سب سے زیادہ "ترقی یافتہ" ملک کا حال یہ ہے کہ آج اس کی پوری آبادی' غذائیت کی شدید کمی سے دوچار ہے۔

عراق پر ۴۲ روزہ مسلسل بمباری کے نتیجے میں تمام بڑے بڑے پانی کے ذخائر' پانی صاف کرنے والے پلانٹ' پمپنگ سٹیشن اور نہری نظام تباہ ہو گئے تھے۔ سوائے عام کنوؤں کے پینے کے پانی کی فراہمی کا سارا نظام بمباری شروع ہونے کے چار دن کے اندر تباہ ہو چکا تھا۔ ۳۰ منٹ کے اندر ۹۵ فیصد بجلی کی فراہمی منقطع ہو گئی۔ ۹۵ فیصد مرغی خانے دو ماہ کے اندر زائل ہو گئے۔ ۶۷ فیصد سے زائد مال مویشی ۴ ماہ میں ختم ہو گئے۔ غلہ برآمد کرنا ممکن نہیں پورے ملک میں ایک بھی غلے کا گودام باقی نہ بچا۔ کھاد اور کیڑے مار دوائیں بنانے والے کارخانے تباہ ہوئے۔ ۴۰ فیصد غلہ باہر سے آتا تھا' ۶۰ فیصد ملکی پیداوار الگ متاثر ہوئی ہے۔

بعض مستقل امراض کے شکار بچوں کے علاوہ بڑے بوڑھے ادویات کی کمی کے باعث اموات کا شکار ہوئے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق عراق میں اوسط عمر ۲۰ سال کم ہو گئی ہے اور گذشتہ ۵ سال میں پیدا ہونے والے بچے "بونے" رہ گئے ہیں۔ آج کم از کم ۲۲ عرب ممالک ایسے ہیں جو اپنی ضرورت کا نصف سے زائد غلہ باہر سے منگواتے ہیں۔ صرف اقتصادی پابندی لگنے سے وہ اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ آپ کو انہیں مارنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔ مصر جیسا ملک زیادہ سے زیادہ ۶ ماہ زندہ رہ جائے گا۔

(اسپیکٹ انٹرنیشنل' ستمبر ۱۹۹۵ء)

پڑھتا جا شرماتا جا

پیجر اور موبائل فون کا ایک استعمال یہ بھی ہے!!

دین کے داعی آخر خوابِ غفلت سے کب بیدار ہوں گے؟

یہ سب کچھ اسی کراچی میں ہو رہا ہے جس میں ہر سو موت کا رقص جاری ہے؟

ذیل میں جاوید سومرو صاحب کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے جو انگریزی روزنامہ "دی نیوز" کی ۸ ستمبر کی اشاعت میں شامل ہے۔ دہشت گردی کے شکار شہر کراچی کے "طبقہ مترفین" کے شب و روز کا اندازہ اس مضمون کے مندرجات سے لگایا جا سکتا ہے۔ آج کراچی کے اکثر و بیشتر شہری یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کراچی کی موجودہ صورتحال ہماری اپنی ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ ان کی یہ سوچ بھی غنیمت ہے۔ لیکن جب ہم اپنی بداعمالیوں کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں "عام معافی" دے دے گا۔ آج کل پریس میں اکثر یہ پڑھنے میں آتا ہے کہ حکومت "عام معافی" کا اعلان کر دے تو دہشت گردی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ ان کی یہ بات بجا البتہ "عام معافی" کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا چاہئے لیکن اس کے لئے "گزشتہ را صلوات اور آئندہ را احتیاط" کے معروف اصولوں پر عمل کرتے ہوئے پہلے گزشتہ گناہوں پر ندامت' پھر مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ اور آئندہ کے لئے اپنی توبہ پر استقامت کا عزم شرط ہے۔ ورنہ وہی بات ہو گی کہ ۔

رات بھر خوب پی اور صبح کو توبہ کر لی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

رہی یہ بات کہ عذاب صرف اہل کراچی پر ہی کیوں اور توبہ صرف کراچی کے شہری ہی کیوں کریں۔ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ جب کسی پر مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ بجائے یہ واویلا کرنے کے یہ مصیبت کسی اور پر کیوں نہ آئی' اس مصیبت کو رفع کرنے کی فکر کرتا ہے' تو عذاب الٰہی کے معاملے میں ہم یہی روش کیوں نہ اختیار کریں۔

(میم سین - کراچی)

آفت زدہ کراچی میں عصمت فروش عورتوں کے دلال آج کل پہنچ سے باہر ہو چکے ہیں۔ یہی معاملہ گھروں میں "لال پری" کی بوتل سپلائی کرنے والوں کا ہے۔ اس میں وفاقی حکومت کے اس "امتیازی" فیصلے کا دخل ہے جس کے نتیجے میں پیجر اور موبائل فون بند کر دیئے گئے ہیں۔ "مجھے علم نہیں کہ موبائل فون اور پیجر کے یکایک بند کر دیئے جانے کے نتیجے میں دہشت گردوں کا نٹ ورک ٹوٹا یا نہیں۔ لیکن یہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا نیٹ ورک بری طرح متاثر ہوا ہے۔" نام نہاد فیشن ایبل ڈیفنس اور کلفٹن کے علاقے کے ایک ماڈرن دلال نے کہا۔ "ہمیں اپنے پیشہ ورانہ فرائض کی ادائیگی میں سخت دشواریوں کا سامنا ہے"۔ اس نے شکوہ کیا۔

شہر کے آسودہ حال طبقوں کے رہائشی علاقے کلفٹن' ڈیفنس' کے ڈی اے اسکیم نمبروں اور پی ای سی ایچ ایس میں گزشتہ چند برسوں سے ماڈرن اور منظم سلسلہ' پیشہ ور عورتوں کے دلالوں اور شراب کی بوتلوں کے سپلائی کرنے والوں کا چل نکلا ہے' جہاں ٹیلی فون کالوں پر عورتیں اور شراب مہیا کی جاتی ہیں۔ "یہ ایک امتیازی فیصلہ ہے جو ہمیں شہر میں اپنے کاروبار کو بند کرنے پر مجبور کر رہا ہے"۔ ایک دلال نے دھمکی دی۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس دلال کو کس قسم کے لوگوں کی سرپرستی حاصل ہے جو یہ دھمکی دے رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موبائل فون اور پیجر کے متعارف ہونے کے بعد تاجر' بیوروکریٹس' سیاست دان اور "معزز" ہستیوں کو رابطوں کا مسئلہ نہیں رہا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس سہولت نے دلالوں اور طوائفوں کے کاروبار کو بھی فروغ دیا ہے۔

حال ہی میں باتھ آئی لینڈ میں واقع کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ کے ہاسٹل کے ایک کمرے میں حکومت کے ایک افسر کو بلیک لیبل وہسکی کے جام پر جام لنڈھانے کے باوجود حزن کی کیفیت طاری تھی۔ جو لوگ اس "شب بیداری" میں شامل تھے انہیں اس کی وجہ جاننے میں خاصا وقت لگا۔ "مجھے ایک عورت چاہئے اور میں اب تک دلال سے رابطہ نہیں کر سکا۔ وہ اپنی رہائش گاہ کے فون پر دستیاب نہیں ہے جبکہ موبائل فون اور پیجر کی سروس بند کر دی گئی ہے"۔ اس نے شکوہ کیا۔ لیکن جب یہ دونوں رابطے بحال تھے' وقت بہت خوشگوار گزر رہا تھا۔ چند ماہ قبل ایک نائٹ پارٹی عروج پر تھی۔ "جائے واردات" ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کا فیز۲ تھا۔ ہفتہ کے آخر شب کے موقع پر منعقدہ تقریب ابھی اپنے عروج پر پہنچی ہی تھی۔ ایک نوجوان نے میزبان سے دریافت کیا کہ کیا اس نے چند "کال گرلز" کا بھی انتظام کر رکھا ہے؟ ایک لمحے کے لئے میزبان کو خفت کا سامنا ہوا۔ وہ تیزی سے ایک گوشے میں گیا' ریسیور اٹھایا اور ۰۳۲۱ ڈائل کرنا شروع کیا۔ وہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ واپس پلٹا۔ "دوستو پریشانی کی بات نہیں' اس تقریب کے لئے ہر چیز دستیاب ہے"۔ (تالیاں)

تھوڑی ہی دیر میں ۲۰ سے ۲۴ سال کی دو نوجوان لڑکیاں ایک ادھیڑ عمر شخص کی معیت میں پہنچ گئیں' جس نے خوبصورت سوتی شلوار اور Gap کی درآمد شدہ قمیض زیب تن کیا ہوا تھا۔ وہ چند لمحے رکا' میزبان سے گفتگو کی اور دونوں لڑکیوں کو چھوڑ کر چلتا بنا۔ اس دلال کے بائیں ہاتھ میں ایک چھوٹا سا موبائل فون تھا اور اس کی کمر کی بیلٹ کے ساتھ ایک چھوٹا سا پیجر لگا

ہوا تھا۔ مسئلہ حل ہو چکا تھا۔

"پیجر اور فون کے آنے کے بعد کراچی کے بااثر علاقوں میں طوائفوں کے کاروبار میں خوب ترقی ہوئی ہے۔ "معزز لوگوں کا لڑکیوں کی بکنگ کے لئے کوٹھوں پر آنا ایک دشوار مرحلہ تھا لیکن اس کو موبائل فون اور پیجر نے آسان بنا دیا تھا"۔ ایک صورتحال سے متاثر دلال نے کہا' جس کے گاہکوں کے حلقہ میں شہر کے معزز افراد شامل ہیں۔ اس نے کہا۔ "یہ تفریح کے رسیا' جن کے دم قدم سے شہر کی رونق ہے ان کو صرف ایک فون کال کرنے کی زحمت کرنی پڑتی ہے یا مجھے پیج کرنے کی اور میں خود لڑکیاں رہائش گاہوں یا دوسرے محفوظ مقامات پر پہنچا دیتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس ہوم ڈیلیوری سروس کے لئے ہم خطیر رقم چارج کرتے ہیں"۔ یہ ہوم ڈیلیوری سروس آج بھی عام ٹیلیفون رابطے کے ذریعہ جاری ہے لیکن یہ ان معنوں میں دشوار تر ہے کہ اگر دلال یا شراب کی بوتل سپلائی

> "گو کہ میں ہر ماہ اچھی خاصی رقم کما لیتا ہوں لیکن میری پہلے کی آمدنی کی نسبت اس کی حیثیت مونگ پھلی کی ہے جبکہ میرے پاس موبائل فون اور پیجر تھے"

کرنے والے دستیاب نہ ہوں تو ان کے گاہکوں کو بڑی دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔

"اب مجھے ہر وقت گھر پر موجود رہ کر انتظار کرنا پڑتا ہے کہ کہیں کوئی گاہک شراب کی بھاری مقدار نہ طلب کر لے۔ میری معاشرتی زندگی ڈسٹرب ہو چکی ہے۔ اس سے قبل میں صرف پیجر کے ذریعہ کاروبار کیا کرتا تھا"۔ ایک موبائل فون کے ذریعہ شراب کے سپلائی کرنے والے نے کہا۔

ایک رات ایک سرکاری کار زمزمہ بلیوارڈ کی ایک عمارت کے سامنے رکی۔ بائیں طرف لوہے کی سلاخ پر لہرانے والا جھنڈا ڈیش بورڈ پر نظر آ رہا تھا۔ کار پر سوار ایک خوبصورت جوان اور دو اس کے پولیس گارڈ جو یونیفارم میں تھے بہت عجلت میں تھے۔ کار کے پارک کرتے ہی نوجوان نے ایک پولیس والے کو اوپر کی منزل پر بھیجا اور فوراً ایک نوعمر لڑکی بغیر بازو والے ٹی شرٹ اور تنگ بلیو جینس میں ملبوس نیچے اتری اور تیزی سے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دونوں پولیس والے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے کہ سفید چمکدار کار نظروں سے غائب ہو' لڑکی نے اس درمیانی عمر کی عورت کو الوداع کہا جو اپارٹمنٹ کے سڑک کی طرف کی کھڑکی پر کھڑی تھی۔

"یہ لڑکیاں بہت مہنگی ہوتی ہیں' میرے اور آپ جیسے تنخواہ دار طبقے کا فرد ان کے ساتھ شب بسری کا تصور بھی نہیں کر سکتا"۔ علاقے کے ایک ویڈیو شاپ کے مالک نے کہا۔ "ساری رات کی بکنگ کے لئے اعلیٰ درجے کی لڑکی کم از کم چار ہزار روپے لیتی

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

تحریر : ولیم سفائر ۔ اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

واشنگٹن میں امریکہ کے ایک اعلیٰ فوجی افسر مجھے بتا رہے تھے کہ اگر ہمیں اجازت دی جائے تو سرائیوو کے گرد و نواح سے سربوں کا ایک ایک ٹینک اور توپ خانہ نکال کر باہر پھینک دیں۔ مگر اقوام متحدہ' نیٹو اور امریکہ نہیں چاہتے کہ ایسا ہو۔ آپ آئے روز بوسنیا میں خوفناک ہوائی طاقت استعمال کرنے کی جو دھمکیاں سنتے ہیں وہ نری لفاظی ہے۔ سرائیوو پر گولے برسانے والی توپیں اپنی جگہ قائم ہیں۔

صدر بل کلنٹن کے غصے بھرے بیانات' مغربی کمانڈروں کی للکاریں اور ٹی وی پر دھوئیں اور دھماکوں کے مناظر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ہیں' جو فوجی وہاں بھیجے گئے ہیں وہ اس لئے نہیں ہیں کہ سربوں کو بے گناہ شہریوں کی ہلاکت سے باز رکھا جائے!!

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھاگ دوڑ کس لئے؟ محض سربوں پر دھونس جمانے کے لئے' ورنہ اس کا مقصد قطعاً یہ نہیں کہ مسلمانوں کی دادرسی کی جائے۔

حالیہ بمباری کا پہلا مرحلہ آئندہ کی جانے والی بمباری کو محفوظ بنانے کے لئے تھا۔ چنانچہ راڈار' ہوائی حملوں کے خلاف نصب توپوں اور زمین سے ہوا میں مار کرنے والے میزائلوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اتحادی طاقت کی دھاک بٹھانے کے لئے برطانوی اور فرانسیسی توپ خانے کی نمائشی "فائرنگ" سے ہولناکی کا سماں باندھا گیا' جبکہ مسلمانوں کے قتل عام کے ذمہ دار سربوں کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اس کے بعد صدر کلنٹن کے نمائندے' رچرڈ ہالبروک نے بمباری رکوا کر سربوں کو مذاکرات کی میز پر لا بٹھایا۔ اس دوران سربوں کی مہربانی ہو گی کہ جب تک یہ ڈرامہ چل رہا ہے سرائیوو کو گھیرے میں لینے والا اپنا توپ خانہ چند کلومیٹر پیچھے ہٹا لیں۔

اب تک ہمیں یہ بتایا جاتا رہا کہ صرف ہوائی حملوں سے محاصرہ ختم نہیں کرایا جا سکتا۔ پہاڑی علاقے میں آپ کو معلوم ہے چھپنے چھپانے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ متحرک توپ خانہ اور میزائل ہیں' گویا کئی مسائل ہیں۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ ساری رکاوٹیں ختم ہو گئیں مگر سوال یہ ہے کہ اب جب کہ ہوائی حملوں کے خلاف سربوں کا قائم کردہ نظام دبا دیا گیا ہے اور ہوائی جہاز بھی نیچی اور کم رفتار سے پرواز کر کے سرب توپ خانے کو آسانی سے نشانہ بنا سکتے ہیں تو بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کے ذمہ دار سربوں کے مزید نخرے برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے اور کیوں اس بات کو یقینی نہیں بنایا جاتا کہ آئندہ شہری آبادی کو اسلحے کے زور پر یرغمال نہ بنایا جا سکے۔ اس لئے کہ اصل مقاصد کچھ اور ہیں۔ یورپ کی سرزمین پر ایک مسلمان ملک کا وجود؟ آزاد خیال مغرب اسے قبول کرنے کو ہرگز تیار نہیں۔OO

کراچی---دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

کیا یہ ملک خوانین' سرداروں اور افسر شاہی کے لئے بنا ہے!!

سردار اعوان

پاکستان کے عوام جن مسائل اور مصائب سے مسلسل دوچار ہیں اور جن میں آئے دن اضافہ ہی ہو رہا ہے' بالخصوص کراچی کے حوالے سے' جو سب سے اہم کاروباری اور صنعتی مرکز ہی نہیں' ملک کے لئے سیاسی دماغ کی حیثیت بھی رکھتا ہے' اس وقت جو حالات درپیش ہیں اس کی مثال افریقہ کے ایک آدھ ملک کو چھوڑ کر پوری دنیا میں ملنا محال ہے۔

ویسے تو پوری اسلامی دنیا پر پژمردگی طاری ہے۔ اس کے باوجود کہ کشمیر' بوسنیا اور چیچنیا کے مسلمان بھارتی اور عیسائی فوجوں کے ہاتھوں جنگلی جانوروں کی طرح شکار ہو رہے ہیں' مسلمانوں میں کہیں بھی زندگی نمودار ہونے کے آثار نظر نہیں آتے بلکہ اس کے برعکس اب تک مصر اور الجزائر جیسے ممالک کی نام نہاد مسلمان حکومتوں نے اپنے ہاں مسلمانوں پر جس طرح عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے لگتا ہے اس کا دائرہ دوسرے اسلامی ممالک تک پھیل رہا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق سعودی عرب کی حکومت نے اس مقصد کے لئے مصر سے "ماہرین" کی خدمات حاصل کی ہیں۔ پاکستان کی حکومت کے اقدامات سے بھی اسی امر کا اشارہ ملتا ہے لیکن جیسا کہ ان سطور کے شروع میں عرض کیا ہے پاکستان کا معاملہ بالکل منفرد ہے۔

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ یہ خصوصیت بھی پاکستان کو ہی حاصل ہے کہ اپنے قیام کے قمری حساب سے ۲۵ سال بعد ہی دو لگ بھگ برابر اور آزاد ممالک میں منقسم ہو گیا۔ یہ حصہ جس میں ہم ہیں دولخت ہونے کے بعد بھی پاکستان ہی رہا جبکہ دوسرا حصہ بنگلہ دیش بن گیا' لیکن جو سب سے نمایاں مگر تشویش ناک معاملہ نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ آج تک ٹھیک سے معلوم نہیں ہو سکا کہ آخر ہمیں کیا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ یہ ملک ہر لحظہ بحران کی کیفیت سے کیوں دوچار رہتا ہے۔ کیا اس لئے کہ اس کی پیدائش' بحرانی کیفیت میں ہوئی ہے؟ بہرحال موجودہ حالات کی رو سے اسے اگر کسی درجے میں مماثلت ہو سکتی ہے تو وہ افغانستان سے ہو سکتی ہے یا پھر بیروت کی خانہ جنگی سے' جہاں اب کافی عرصے سے سکوت طاری ہے۔ حکمران ٹولے سمیت پورا ملک اس طرح گروہوں اور دھڑوں میں منقسم ہے کہ کسی بھی گروہ یا دھڑے کو فیصلہ کن طاقت حاصل نہیں رہی۔

بیشتر اسلامی' خصوصاً مشرق وسطیٰ کے ممالک میں عرصے سے صدام حسین طرز کی شخصی اور خاندانی حکومتیں مسلط ہیں جو در پردہ اسلام دشمن طاقتوں کی پروردہ اور آلہ کار ہیں اور وقت آنے پر انہی کی پناہ لیتی ہیں' دوسری طرف عوام کی اکثریت اسلام کا حقیقی عادلانہ نظام چاہتی ہے لہٰذا وہاں عوام اور حکومت کے درمیان ایک واضح تفریق نظر آتی ہے جبکہ پاکستان میں وقفے وقفے سے اگرچہ چہرے بدلتے رہتے ہیں لیکن حکومت پر درحقیقت ایک ہی بڑے خاندان کا' جو درحقیقت چند سو خاندانوں کا مجموعہ ہے' قبضہ ہے جو کھلم کھلا اسلام دشمن طاقتوں کا آلہ کار ہے۔ چنانچہ ملک کے وزیر اعظم یا تو براہ راست امریکہ سے درآمد ہوتے ہیں یا ہر وقت امریکہ یاترا کے لئے پابہ رکاب رہتے ہیں۔ جو باقی بچتے ہیں وہ لندن میں ڈیرہ ڈال لیتے ہیں اور اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں۔ پاکستان میں صرف ہنگامے اور فساد ہوتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف عوام کا جہاں تک تعلق ہے تو ان کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ اکثریت "جیالوں" پر مشتمل ہے جن کے دم سے جلسے جلوسوں کی رونق اور جاگیرداروں' سرمایہ داروں کی سیاست قائم ہے۔

اسلام کے حوالے سے "تحریک نفاذ شریعت" اگرچہ اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس کا مطالبہ بالکل واضح اور تصادم براہ راست حکومت سے ہے۔ اس کا یہ کہنا صد فیصد درست ہے کہ ہمیں ایسی عدالت نہیں چاہئے جہاں سے ایک شخص کو اپنی چوری ہونے والی بکری دس بکریاں بیچ کر بھی واپس نہ ملے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ایسے نظام میں جس میں سارے اختیارات جاگیرداروں' وڈیروں' خوانین اور سود خور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہوں وہاں ایسی عدالت کیسے آ سکتی ہے جس میں نہ صرف امیر المومنین کو طلب کیا جا سکتا ہو بلکہ اس کے خلاف فیصلہ بھی دیا جا سکتا ہو۔ اور پھر یہ نفاذ شریعت کا مطالبہ پورے ملک میں ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ ملک کے ایک کونے' صرف مالاکنڈ اور باجوڑ میں شریعت نافذ ہونے سے حکمران ٹولے کی صحت پر کیا اثر پڑے گا۔ اگرچہ حکومت اس کے لئے بھی تیار نہیں ہے حالانکہ وہاں پہلے بھی ملکی قوانین لاگو نہیں تھے۔

دوسرے نمبر پر بعض مجاہد گروپ اور تنظیمیں ہیں جو پاکستان میں قائم ہیں مگر ان کا جہاد پاکستان سے باہر صرف "غیر مسلموں" کے خلاف ہے لہٰذا پاکستان کے باطل نظام اور مفاد پرست حکمرانوں کو ان سے کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ اس کے بعد آیئے کہ اب پاکستان میں مہاجروں کی واحد نمائندہ جماعت ایم کیو ایم اور مسئلہ سندھ و کراچی کا کچھ ذکر خیر ہو جائے۔ سندھ اور کراچی کا مسئلہ اس لحاظ سے سب سے زیادہ تشویش ناک اور افسوس ناک ہے کہ اس کی وجہ سے اب تک بلاوجہ ہزاروں قیمتی انسانی جانیں ضائع ہو چکی ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں افراد متاثر ہوئے ہیں۔ اس قتل و غارت کے پس پردہ کیا عوامل کار فرما ہیں' اللہ ہی بہتر جانتا ہے یا پھر ایم کیو ایم کی قیادت اور حکومتی ذرائع۔ میرا نہیں خیال کہ ان کے علاوہ کسی بھی شخص کو اس

بارے میں صحیح معلومات حاصل ہوں گی۔ یہ "پردہ داری" بجائے خود کوئی اچھا شگون نہیں لیکن ایم کیو ایم کا اب تک جو کردار اور طرز عمل سامنے آیا ہے' اس کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ایم کیو ایم کی قیادت اور دوسری سیاسی جماعتوں' یعنی پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ وغیرہ کی قیادت میں کوئی زیادہ فرق نہیں' ان سب کے نزدیک اصل اہمیت ذاتی مفادات کی ہے' انسانی جانوں کی سرے سے کوئی وقعت نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پناہ گزینوں کی امداد اور بحالی میں جائدادیں تو بنائیں لیکن اس مقصد کو پس پشت ڈال دیا جس کے لئے لوگوں نے جانیں دے کر یہ ملک بنوایا تھا۔ پاکستان کے قیام کے حوالے سے یہ بات اب کھل کر سامنے آچکی ہے کہ پاکستان کو لوٹنے میں یہاں کے جاگیردار' وڈیرے' سردار' خان اور یو پی سے آنے والے شرفاء' نواب اور وہاں کے تعلیم یافتہ طبقے سے وجود میں آنے والی بیوروکریسی برابر کے شریک ہیں۔ ایم کیو ایم کے عام طور پر جو مطالبات سامنے آتے ہیں ان میں سرفہرست ان کے کارکنوں کے خلاف درج مقدمات کی بلا تاخیر واپسی اور بے روزگاری کے خاتمے کا مطالبہ ہوتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مطالبات کہاں تک قابل عمل ہیں' کیا یہ مسائل صرف کراچی کے مہاجروں کو ہی درپیش ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جو عام شہری یا سرکاری ملازمین قتل ہوتے ہیں ان کا اس مسئلے سے کیا واسطہ ہے۔ مسئلہ تو ایم کیو ایم کی قیادت اور حکومت کے درمیان ہے۔ کیا "ترقی" کی منازل طے کرنے کے لئے انسانی جانوں کی قربانی ناگزیر ہے؟۔ ایم کیو ایم نے اپنی "حکمت عملی" یا ناعاقبت اندیشی سے اس عمل کو اپنی انتہا تک پہنچا دیا ورنہ دوسری سیاسی جماعتیں بھی کوئی کم نہیں ہیں۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک عوام مسلسل قربانیاں دیتے رہے ہیں جن کے نتیجے میں کچھ لوگوں کی لیڈری تو ضرور چمک گئی مگر عوام کا بھلا نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ اس لئے کہ عوام اپنی عقل کی بجائے ہمیشہ دوسروں کی عقل سے سوچتے ہیں۔

اس ملک میں اب بھی معتدبہ تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے سے "محروم" رہے ہیں۔ ان کی باہر بڑی بڑی جائدادیں نہیں' ان کی آئندہ نسلوں کو اسی ملک میں رہنا ہے۔ انہیں پیپلز پارٹی یا مسلم لیگوں کے جلسے جلوسوں کی رونق بڑھانے سے دلچسپی نہیں نہ وہ ڈاکے اور قتل و غارت گری کر سکتے ہیں۔ وہ ظلم اور استحصال سے پاک

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

فرانسیسی عدالت میں اسلامی اسکارف کی فتح

فرانس میں غلبہ اسلام کا کارواں بڑی تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے ایسا لگتا ہے جیسے وہاں کی سرزمین نے مسلم انقلابیوں کے لئے اپنی باہیں پھیلا دی ہیں' وہ انہیں اپنی آغوش میں لینے کے لئے بے چین ہو۔

پندرہ سالہ سلوا آیت حماد بھی فرانس ہی میں پیدا ہوئی اور وہیں نشو و نما کے مراحل سے گزری۔ اس کا آبائی وطن مراکش ہے۔ جہاں سے اس کے والدین ہجرت کر کے فرانس آکر آباد ہو گئے تھے۔ وہ والدین کے زیر تربیت اسلامی ثقافت کے سائے میں پروان چڑھی ہے۔ فجر کی نماز کے بعد قرآن کی چند آیات تلاوت کرنا وہ ضروری سمجھتی ہے اور وہ فرانسیسی زبان میں اس کی تفسیر بھی پڑھتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ کم عمر ہونے کے باوجود وہ غلبہ اسلام کے عالمی تصور کو حقیقت سے تعبیر کرنے پر لگی ہے۔ وہ اسلام کی سچائی اور اس کے ابدی پیغام کو سارے جہاں میں پھیلانا چاہتی ہے۔ سلوا کہتی ہے کہ مذہب ہی انسان کا اصل سرمایہ حیات ہے اور اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو یہ تصور عطا کرتا ہے کہ مذہب کی ادنیٰ باتیں بھی ترک نہیں کی جا سکتیں آج فرانس میں اسکارف اسلام کا ایک اہم جز بن گیا ہے اور حکومت کے معاندانہ رویئے کے باوجود خواتین غلبہ اسلام کے اس عالمی قافلے میں جوق در جوق شریک ہو رہی ہیں۔ سلوا خود جب بھی کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلتی ہے تو اپنے جسم کو چادر سے ڈھانپنے کے ساتھ ساتھ اپنے سر پر اسکارف ڈال لیتی ہے کیونکہ وہ اسے اسلامی ثقافت کا ایک اہم جز تصور کرتی ہے۔

جب سلوا کو مشرقی موسلے خطے میں وینڈویر کے ہوٹ ڈے نیوے جونیئر ہائی اسکول کے سائنس ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ ملا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔ لیکن اس کی ساری خوشی اس وقت کافور ہو گئی جب اس کے اسکارف پر اسکول کے اساتذہ نے اعتراض کیا اور کہا کہ سلوا سر پر اسکاف ڈال کر کلاس میں نہ صرف خود کو بلکہ دوسروں کو بھی خطرے میں ڈال رہی ہے۔ سلوا نے اسکارف اتارنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر انتظامیہ نے سلوا کو اسکول سے نکال دیا لیکن سلوا کوئی موم کی بنی مورت نہیں تھی وہ اسلامی حمیت و غیرت رکھنے والی ایک مسلم طالبہ تھی۔ اس نے انصاف کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور فرانس کی آزادی رائے پر ایک کاری ضرب لگائی۔ عدالت نے آخرکار سلوا کے حق میں فیصلہ سناتے ہوئے حکومت کو حکم دیا کہ اس کے والدین کو پچاس ہزار فرینک دیئے جائیں۔ سلوا نے فرانسیسی حکومت کی تنگ نظری کے خلاف اپنی جنگ کو فتح یابی سے ہمکنار کرانے میں کامیابی حاصل کر لی۔

اس واقعہ سے قبل فرانس کے تمام اسکولوں میں حکومت نے ایک سرکلر جاری کیا تھا کہ مذہبی شناخت والی کوئی بھی چیز پہننے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں مسلم طالبات اپنے لباس و اسکارف کی وجہ سے بہت سی پریشانیوں سے دوچار رہتی ہیں۔ وہاں کے آزادی رائے کی دہائی دینے والے نام نہاد حقوق نسواں کے علمبردار ان مسلم خواتین کے ملبوسات کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ اور اسلامی ثقافت کے فرانسیسی معاشرے پر غالب آنے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اسکارف کے سلسلے میں عدالت کے حالیہ فیصلے سے ان کی اس تگ و دو کو ایک شدید دھچکا پہنچا ہے اور ان کو منہ کی کھانی پڑی ہے۔

دراصل اسکارف کی فتح ان مسلم انقلابیوں کی فتح ہے جو آج غلبہ اسلام کے عالمی پیغام کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لئے تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ OO

(بشکریہ ہفت روزہ "ملی ٹائمز" نئی دہلی)

امریکہ میں ٹی وی کی تباہ کاریاں

صرف مذہبی لوگ ہی نہیں' اب سیکولر مزاج کے افراد بھی چیخ اٹھے ہیں

ٹی وی نے سماجی و علمی سرگرمیوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے

تحریر : خالد بیگ اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

امریکی اساتذہ کے وفاق' بچوں کے تحفظ کے فنڈ' اور امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کی زیر سرپرستی ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا' جسے چار امریکی گورنروں (مین' ارکنساس' الاسکا' میساچیوسٹس) کی بھی تائید حاصل تھی' جنہوں نے اپنی اپنی ریاست میں سکولوں کو ترغیب دلائی کہ وہ اس تقریب میں شریک ہوں۔ منتظمین کا کہنا ہے کہ چار ہزار سے زائد سکولوں' لائبریریوں اور دیگر گروہوں نے ۲۴ تا ۳۰ / اپریل اس پروگرام میں شرکت کی۔

پروگرام یہ تھا کہ ایک ہفتہ کے لئے "بیکاری" کو خریدا کہہ کر یعنی امریکی کی سب سے مہلک بیماری' ٹی وی کو بند کر کے کچھ اپنا خیال کریں۔ اسے "ٹی وی بند" قومی ہفتہ کا نام دیا گیا اور بتایا گیا کہ قومی سطح پر یہ پہلی کاوش ہے جس کا نشانہ ٹی وی کو بنایا گیا تاکہ لوگ اندازہ کریں کہ تفریح' سکون' بچوں کو بٹھائے رکھنے' فارغ اوقات کے استعمال اور باہر کے شور و غل سے بچانے میں ٹی وی دراصل کیا کردار ادا کر رہا ہے۔ "ٹی وی فری امریکہ" نام سے ایک سال قبل قائم ہونے والی تنظیم نے اس پروگرام کا اہتمام کیا تاکہ امریکیوں کو اس پر مائل کیا جائے کہ وہ ٹی وی کم دیکھیں اور وہی وقت مطالعہ یا دوسرے کسی مثبت کام میں لگائیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی دوسرا کام کر لیں' ٹی وی کے سامنے دھرنا مار کر نہ بیٹھیں۔ اپنے گھر والوں سے باتیں کریں۔ پڑوس والوں کے ہاں ہو آئیں کسی پارک میں چہل قدمی کر آئیں۔ کوئی کتاب پڑھ لیں یا کوئی لائبریری جا کر دیکھیں۔ گلاب کے پھول سونگھیں' ستاروں کو دیکھیں۔ پکنک کا پروگرام بنالیں' اس طرح کے ہزاروں مشغلے ہیں' ٹی وی کی جان چھوڑ دیں۔ سکرین پر سرخ ربن چسپاں کر دیں۔ ایک ہفتے کے لئے سہی' ٹی وی کا روزہ رکھ لیں۔ خدا کے لئے ایک ہفتہ اسے چھوڑ دیں۔

ٹی وی کے معاملے میں امریکہ کو سبقت حاصل ہے۔ ۹۹ فیصد گھروں میں ٹی وی سیٹ موجود ہے جبکہ اوسط ۲ اعشاریہ ۲۴ سیٹ فی گھر ہیں۔ ۶ سے ۱۷ سال کی عمر کے بچوں میں سے لگ بھگ آدھے بچوں کے بیڈ روم میں ٹی وی ہے۔ اوسطاً ۷ گھنٹے روزانہ ٹی وی چلتا ہے۔ روزانہ ۶۰ لاکھ وڈیو کیسٹ کا تبادلہ ہوتا ہے جب کہ والدین اپنے بچوں کے ساتھ کسی بامقصد بات چیت پر ہفتے میں صرف ۴۰ منٹ صرف کرتے ہیں۔ چنانچہ بچے ہفتے میں ۱۶۸ منٹ ٹی وی کے ساتھ گزارتے ہیں۔ اگر ٹوٹی وی اتنی بڑی نعمت ہے تو اس سے یہ محبت مبارک! ورنہ....

> **"جو نوعمر مسلسل ٹی وی کے ساتھ چپکا رہتا ہے' وہ بڑی تیزی سے کند ذہن ہونے لگتا ہے اور مستقبل کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے"**

وقتاً فوقتاً مطالعے کرتے رہنے سے پتہ چلتا ہے کہ جارحانہ رویہ' پست تعلیمی کارکردگی اور بے توجہی اور ٹی وی کا گہرا باہمی تعلق ہے۔ یہ مسئلہ اس وقت کھل کر سامنے آیا جب گزشتہ سال امریکہ کے سیکرٹری تعلیم' رچرڈ رلے (Richard Riley) نے قومی پریس کلب میں خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ جو نوعمر مسلسل ٹی وی کے ساتھ چپکا رہتا ہے' وہ بڑی تیزی سے کند ذہن ہونے لگتا ہے اور مستقبل کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ جہاں حال یہ ہو کہ ایک نوعمر اوسطاً ۱۵۰۰ گھنٹے سالانہ ٹی وی کے سامنے بسر کرتا ہو' وہاں نئی امریکی نسل کے بارے میں اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

امریکہ میں ٹی وی بنتے ہوں یا نہیں' ٹی وی پروگرام دھڑلے سے بنتے ہیں اور چہار دانگ عالم میں دھوم مچاتے ہیں۔ اس کے ہیرو اور ویلن دنیا بھر میں شہرہ رکھتے ہیں۔ ایسی مہارت' ذہانت اور وسائل کا حامل ملک اگر ٹی وی کے ہاتھوں مصیبت میں گرفتار ہے تو معلوم ہوا کہ برائی کی جڑ خود یہ ٹی وی ہے۔

اب ذرا اس کا پرنٹ کی دنیا سے مقابلہ کریں۔ جرمنی میں پرنٹنگ پریس کی ایجاد سے ۵۰ سال کے اندر ۸۰ لاکھ کتابیں شائع ہوئیں' جس سے ایک دم معلومات کا سیلاب آ گیا۔ گیوٹن برگ (Guten berg) سے ساڑھے چار سو سال کے عرصے میں کروڑوں کی تعداد میں کتابیں اور رسالے دنیا بھر میں پھیلے ہیں اور ضروری نہیں کہ جو کچھ شائع ہوا ہے وہ سب سچ' اچھا یا صحت مند ہو' اس کی باوجود کبھی ایسا مسئلہ پیدا نہیں ہوا کہ کسی ملک میں لوگوں کو کتابوں سے "پیچھا چھڑاؤ" مہم شروع کرنا پڑی ہو۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ ٹی وی کا ذریعہ ابلاغ ہونا ہی مشکوک ہے اور جو لوگ اسے معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھے بیٹھے ہیں' انہیں اپنی رائے پر دوبارہ غور کرنا چاہئے۔

ٹی وی صرف "ٹی وی فری امریکہ" نام کی مذکورہ تنظیم کے لئے ہی درد سر نہیں ہے۔ ۷۳ فیصد والدین نے رضامندی ظاہر کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کا ٹی وی کے ساتھ تعلق کم کرنے کو تیار ہیں لیکن انہیں اس کے لئے کوئی ڈھنگ کا طریقہ نہیں سوجھ رہا۔ گویا امریکہ میں لوگوں کی اچھی خاصی تعداد اس قومی مہم کا ساتھ دینے کو تیار ہے۔ اس سے قبل ایک تقریب میں پسکاٹا وے (Piscata way) نیو جرسی کے میئر نے

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

بقیہ : ابلاغیات

پبلک لائبریری میں ٹی وی بند کر کے اپنے انہی جذبات کا اظہار کیا۔

قارئین پریشان نہ ہوں "ٹی وی فری امریکہ" تنظیم "مولویوں" کی قائم کردہ نہیں ہے۔ یہ تنظیم "ٹی وی روزہ" جیسی اصطلاح استعمال ضرور کرتی ہے مگر یہ کسی مذہبی جوش و جذبے کے تحت سرگرم عمل نہیں، اور اگر ایسا کوئی جذبہ ہے بھی تو پس پردہ ہے۔ ٹی وی دیکھنے کے لئے مضر اثرات کے بارے میں ان کی تشویش سیکولر سوچ پر مبنی ہے۔ کیونکہ دماغ ماؤف ہونے اور آپس کے میل جول میں کمی واقع ہونے سے افراد ہی نہیں ان "معذورین" کی بڑھتی ہوئی تعداد پورے معاشرے کو ناکارہ بنا سکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اعلیٰ مذہبی اور اخلاقی اقدار کے دعویدار مسلمانوں کو بھی کہیں ہوش ہے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں؟

(بشکریہ : امپیکٹ انٹرنیشنل)

بقیہ : رودادِ سفر

بھی منعقد ہوئی۔ جس کو بڑی تعداد میں شرکاء نے سنا۔ ISNA کا پروگرام تقریباً چار روز جاری رہا۔ امیر محترم کا معمول یہ رہا کہ فجر کی نماز کے بعد درس قرآن اور پھر اپنے کمرے میں رفقاء اور دیگر حضرات سے بالمشافہ ملاقات کرتے۔ امیر محترم نے جن حضرات سے ملاقات کی ان میں یوسف اسلام اور امام زید شاکر نمایاں ہیں جو کہ ISNA کے کنونشن میں Guest Speaker کے طور پر مدعو تھے۔ تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کا ایک مکتبہ بھی لگایا گیا۔ چار روز کے دوران امیر محترم کی کتب آڈیو اور وڈیو کیسٹ ایک بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے خریدے۔ سینکڑوں لوگ تنظیم اسلامی سے متعارف ہوئے۔

جس کے نتائج ان شاء اللہ مستقبل قریب میں ظاہر ہوں گے ------ ISNA کا کنونشن چار روز جاری رہنے کے بعد ۴ ستمبر کو اختتام پذیر ہوا۔ اسی روز بارہ بجے ہم امیر محترم کی معیت میں ماؤنٹ ورنن نامی ایک قصبے کے لئے روانہ ہو گئے جو کہ Columbus سے تقریباً ۴۰۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں ہمارا قیام ڈاکٹر حبیب صاحب کے گھر تھا جو کہ Heart Specialist ہیں اور تنظیم اسلامی کے رفیق۔ ۵ ستمبر کو امیر محترم نے مکمل آرام کیا۔ دوپہر میں اپنے علاج کے سلسلہ میں مشورے کے لئے ڈاکٹر کے پاس تشریف لے گئے۔ جبکہ شام کو مغرب کے بعد علاقہ کے مختلف لوگوں نے امیر محترم سے ملاقات کی جس میں مختلف موضوعات زیر بحث رہے۔

۶ ستمبر کی صبح امیر محترم نے کچھ ٹیسٹ کروائے۔ شام کو امیر محترم کی تقریر Saint Louis کی خوبصورت مسجد "دارالاسلام" میں تھی۔ ڈاکٹر حبیب صاحب نے اس کے لئے خاصی محنت کی ہوئی تھی۔ موضوع تھا "The Concept of Jehad in Islam"

تقریر تقریباً سوا گھنٹے پر محیط تھی۔ سامعین کی تعداد اڑھائی تین سو کے لگ بھگ تھی۔ یہاں پر مکتبہ بھی لگایا گیا جس سے سامعین کی بہت بڑی اکثریت نے استفادہ کیا۔ یہاں پہنچ کر امیر محترم کو معلوم ہوا کہ سندھی راہنما سید غلام مرتضیٰ شاہ مسجد سے چند میل کے فاصلے پر مقیم ہیں۔ امیر محترم نے ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ تقریر کے بعد امیر محترم سید غلام مرتضیٰ شاہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ امیر محترم نے کراچی کے بارے میں اپنا موقف ان کے سامنے پیش کیا۔

۷ ستمبر کو یہ چھوٹا سا قافلہ شکاگو کے لئے عازم سفر ہوا۔ ۸ ستمبر جمعہ تھا۔ امیر محترم نے Down Town کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھایا۔ اسی شام کو اسلامک فاؤنڈیشن کی مسجد میں امیر محترم کا خطاب Muslim Youth سے تھا۔ جس میں تنظیم اسلامی شکاگو کے نوجوان نے شرکت کی۔ تقریر مغرب سے عشاء تک جاری رہی۔ جبکہ نماز عشاء کے بعد سوال و جواب کی ایک مفصل نشست ہوئی۔ پروگرام کے دوران بیعت فارم بھی تقسیم کئے گئے۔

۹ ستمبر کو صبح کا تمام وقت ملاقاتوں میں صرف ہوا جبکہ شام کو امیر محترم نے ELGIN کے مسلم کمیونٹی سنٹر میں امیر محترم کا خطاب تھا۔ جس کا عنوان تھا : Basis of Organisation in Islam "Bai'ah" The۔ امیر محترم نے بیعت کے عنوان پر مفصل گفتگو فرمائی۔ جو کہ بہت پسند کی گئی اور جس کو سننے کے بعد سات افراد نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اسی وقت اختیار کر لی۔ اس تقریر کے بارے میں خود امیر محترم کا تاثر یہ تھا کہ انہوں نے اس موضوع پر اس سے زیادہ مدلل اور بہتر گفتگو نہیں کی۔ بحمد اللہ انگریزی زبان میں ہونے والی اس گفتگو کو آڈیو اور وڈیو پر ریکارڈ کر لیا گیا ہے جو کہ ہماری تنظیم کے لئے ایک اثاثہ ثابت ہو گی۔ ان شاء اللہ۔ OO

بقیہ : حدیثِ امروز

قدرت نے کائنات کے پورے نظام کو عدل پر قائم کیا ہے۔ سورۃ الرحمٰن کی آیات (۷، ۸ اور ۹) گواہ ہیں۔ انہی آیات میں انسان کو ہدایت کی گئی ہے کہ چونکہ تم ایک متوازن کائنات میں رہتے ہو، اس لئے تمہیں بھی عدل پر قائم ہونا چاہئے، اگر تم اپنے دائرۂ اختیار میں بے انصافی کرو گے اور حقداروں کے حقوق مارو گے تو یہ فطرت کائنات سے تمہاری بغاوت ہو گی۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جو قومیں عدل و انصاف سے عاری ہو جائیں، ہلاکت ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ ہلاکت سے مراد صرف موت ہی نہیں، سماج کی تباہی بھی ہلاکت کی ایک شکل ہے، اور ہم اس سے اب بہت دور تو نہیں۔ کہاں گئیں بادشاہوں کے محلات سے لٹکتی ہوئی زنجیروں کی داستانیں کہ جو چاہے جب چاہے انصاف طلب کر سکے۔ کیوں اوجھل ہو گئیں ہماری نظر سے عدل فاروقی کی شہرۂ آفاق سچی روایات۔ ہم دو طرفہ مار کھا گئے۔ دین سکھلانے والے خود دنیاداری میں الجھ گئے اور دین سیکھنے والے روحِ دین کو فرسودہ کہہ کر لاتعلق ہو چکے۔ قدرت ہم سے روٹھ گئی اور ہم بھٹک کر رہ گئے۔ سوچو کہ شاید اب بھی بات بن پائے، مزید ٹوٹ پھوٹ رک جائے اور سکون لوٹ آئے۔ آیئے یہیں سے آغاز کریں کہ "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو" (النساء : ۵۸) یعنی کم ظرف لوگوں کے ہاتھوں میں اپنے اجتماعی معاملات کی کنجیاں نہ دیا کرو۔ خدا جانے مذکورہ بالا بیان دیتے وقت صدر مملکت کے احساسات کیا تھے، تاہم صاحب عقل لوگوں کے لئے یہ لمحہ فکریہ ضرور ہے۔ OO

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

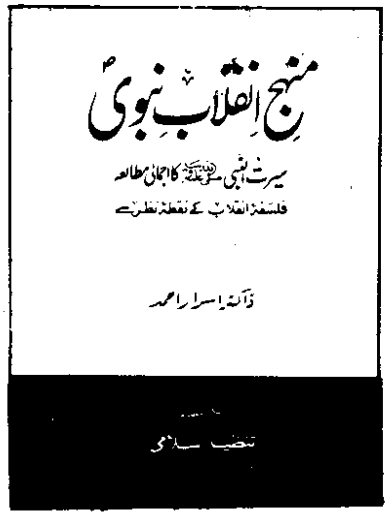

اشاعتِ خاص /[illegible] روپے ، عام /۱۳۰ روپے

☆ ☆ ☆

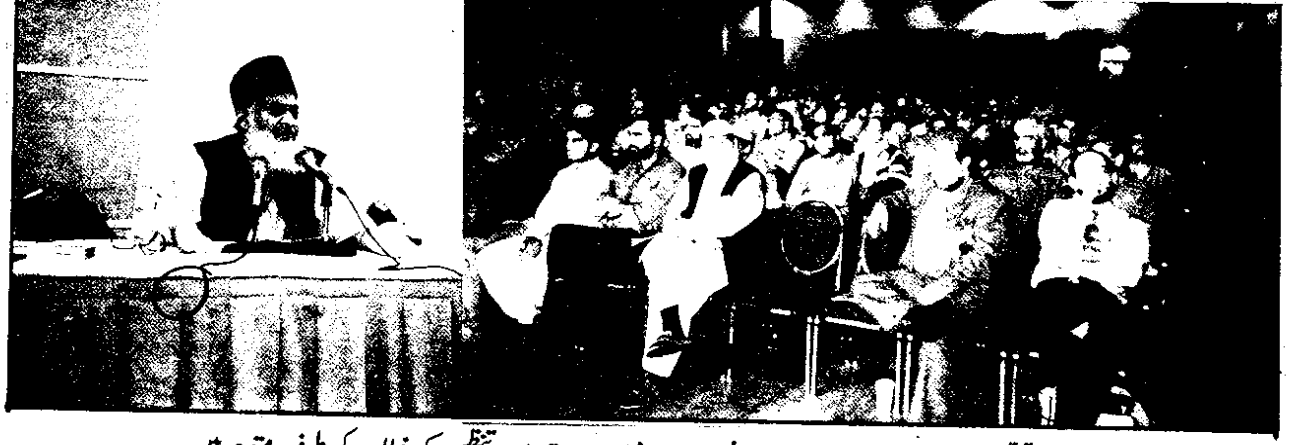

تنظیم اسلامی نارتھ امریکا کے پہلے کنونشن میں سامعین ہمہ تن امیر تنظیم کے خطاب کی طرف متوجہ ہیں

روداد سفر

ان شاء اللہ

''اسنا'' کے سالانہ کنونشن میں شرکت' دوررس نتائج کی حامل ہوگی

تنظیم اسلامی نارتھ امریکا کا پہلا کنونشن توقع سے بڑھ کر کامیاب رہا

امیرِ تنظیم اسلامی کے دروس و خطابات کے ہزاروں کیسٹ سری نگر اور اس کے مضافات میں پھیل چکے ہیں

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حالیہ سفر امریکہ کی مختصر رپورٹ' جسے ان کے چھوٹے صاحبزادے آصف حمید نے مرتب کیا ہے جو اس سفر میں ان کے ہمرکاب تھے

۱۹۹۵ء میں امیر تنظیم اسلامی کا یہ دوسرا سفر تھا۔ اس بار امیر محترم کے سفر کی اصل وجہ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) کے سالانہ اجتماع میں خطاب کی دعوت تھی جس کو امیر محترم نے قبول کیا۔ طے یہ کیا گیا کہ اس موقع پر تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کا سالانہ اجتماع بھی منعقد کر لیا جائے۔

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) کو امریکہ کے مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ تنظیم ہر سال امریکہ کے کسی شہر میں اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرتی ہے۔ جس میں پندرہ سے بیس ہزار افراد شرکت کرتے ہیں۔ ان میں پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کے علاوہ عرب' افریقی امریکن اور وائٹ امریکن مسلمانوں کی بھی بہت بڑی تعداد ہوتی ہے۔ امسال یہ پروگرام امریکی ریاست اوہالو (OHIO) کے شہر کولمبس کے کنونشن سنٹر میں منعقد ہونا طے پایا۔ لہٰذا امیر محترم (جو کہ راقم کے والد بھی ہیں)' میری والدہ نائمہ حلقہ خواتین' ڈاکٹر عبدالسمیع نائب ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی بیرون پاکستان اور راقم ۲۸ اگست کو امریکہ کے لئے عازم سفر ہوئے۔ اور امریکی وقت کے مطابق سہ پہر ساڑھے چار بجے نیویارک کے جان ایف کینڈی ایئرپورٹ پر اتر گئے۔

تنظیم اسلامی نیویارک اور نیوجرسی کے رفقاء استقبال کے لئے ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ ہمیں سیدھا نیوجرسی میں نیویارک کے امیر جناب اسرار خان صاحب کے گھر لے جایا گیا۔ مغرب کی نماز کے بعد تنظیم اسلامی کے رفقاء اور دیگر حضرات امیر محترم سے ملاقات کے لئے آئے۔ جن میں سے ایک صاحب سری نگر کا تعلق کشمیر سے تھا۔ وہ (INDIA) کے شہری تھے۔ موصوف امیر محترم سے ملاقات کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ چند سال قبل امیر تنظیم کے دروس قرآن کے چند کیسٹ ان کے ہاتھ لگے تھے۔ جن کے ذریعے سے وہ ان کی شخصیت سے متعارف ہوئے تھے۔ لیکن آج ان کے پاس امیر

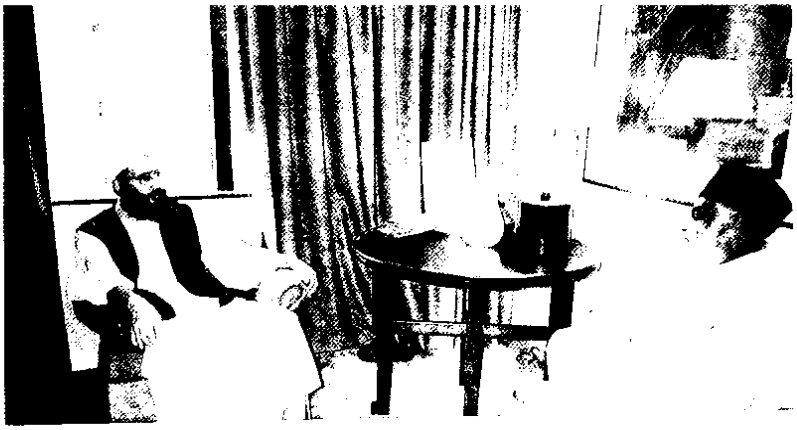

محترم کے مختلف موضوعات پر مشتمل پانچ سو سے زائد کیسٹ موجود ہیں۔ جنہیں وہ مسلسل عام کر رہے ہیں۔ ان کے بقول وہ بلا مبالغہ ہزاروں کیسٹ ریکارڈ کر کے سری نگر اور اس کے مضافات میں عام کر چکے ہیں۔ اللہ کے دین کی ترویج کی یہ جہت اس کشمیری جوان کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوئی جو ہمارے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھی۔ نہ جانے کتنے ہی ایسے لوگ امیر محترم کے دروس و خطابات کو اس طرح پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں جن کا ہمیں علم بھی نہیں ہے۔ اللھم زدفزد۔

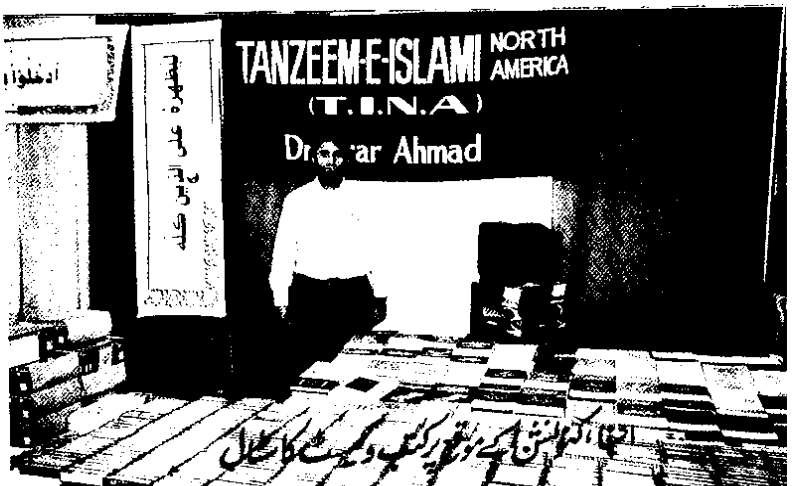

اگلی صبح یعنی ۲۹ اگست کو امیر محترم نیویارک سے پونے چار سو میل کے فاصلہ پر ایک شہر پٹس برگ کے لئے عازم سفر ہوئے۔ امیر محترم نے طے کیا تھا کہ اس بار تمام سفر بذریعہ کار کیا جائے گا۔ ساڑھے چھ گھنٹے کے سفر کے بعد ہم ڈاکٹر خرم چوہدری صاحب کے گھر پہنچ گئے جو کہ Pitsburg میں سینے کے امراض کے ماہر ہیں۔ ہمارے ساتھ نیویارک کی تنظیم کے ساتھی راوئیل سلطان صاحب بھی تھے۔ رات ڈاکٹر صاحب موصوف کے گھر قیام رہا۔ اگلی صبح (۳۰ اگست) کو امیر محترم نے اپنا میڈیکل چیک اپ کرایا۔ رات کو Pitsburg کے مضافاتی علاقہ کے ایک مسلم سنٹر میں Basic Duties of a Muslim کے موضوع پر خطاب کیا۔ علاقہ کے مسلمان کافی تعداد میں موجود تھے۔ امیر محترم کی کیسٹوں اور کتابوں پر مشتمل ایک سٹال بھی لگایا گیا۔ جس سے کافی حضرات نے استفادہ کیا۔ اس موقع پر ہمارے میزبان ڈاکٹر خرم چوہدری نے تنظیم میں شمولیت اختیار کرلی۔

۳۱ اگست کو ہم دوبارہ عازم سفر ہوئے۔ ہماری منزل کولمبس تھی جہاں اسنا (ISNA) کا کنونشن ہونا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا کہ تنظیم اسلامی شمالی امریکہ TINA کا پہلا سالانہ اجلاس بھی اسی موقع پر کیا جانا طے پایا تھا۔ لہٰذا اسی روز دوپہر کی نماز کے بعد کولمبس کے کنونشن سنٹر کے ایک بڑے کمرے میں تنظیم اسلامی شمالی امریکہ TINA کا سالانہ اجلاس شروع ہوا جو کہ دو روز جاری رہا۔ تمام امریکہ سے تنظیم اسلامی کے رفقاء اس میں شریک ہوئے۔ جس کی علیحدہ رپورٹ پیش کر دی جائے گی۔ اسنا کنونشن کے دوران ہر روز فجر کے بعد امیر محترم کا درس قرآن ہوتا تھا۔ جو کہ تین روز جاری رہا۔ اس میں ہزار سے ڈیڑھ ہزار افراد روزانہ شرکت کرتے تھے۔ علاوہ ازیں امیر محترم کی ایک تقریر مرکزی پروگرام ہال میں

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

اسنا کنونشن کے مرکزی اجلاس میں امیر تنظیم اسلامی خطاب فرما رہے ہیں

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اسنا کنونشن کے موقع پر معروف نومسلم جناب یوسف اسلام سے ملاقات کرتے ہوئے

ایفرو امریکن مسلمانوں کے اہم دینی رہنما جناب جمیل الامین اور امام زید شاکر کی امیر تنظیم اسلامی سے ان کے کمرے میں ملاقات کا منظر

اسنا کنونشن کے موقع پر کتب و کیسٹ کا سٹال

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز

تنظیم اسلامی کا بیسواں سالانہ اجتماع

۲۰ تا ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۵ء **مینارِ پاکستان** کے سبزہ زار پر منعقد ہوگا

☆

سالانہ اجتماع کا آغاز

امیر تنظیمِ اسلامی، داعیٔ تحریک خلافت پاکستان **ڈاکٹر اسرار احمد** کے خصوصی خطاب سے ہوگا

یہ خطاب قبل از نمازِ جمعہ ۲۰ اکتوبر ۱۱-۳۰ بجے دن ہوگا۔
بعد ازاں نمازِ جمعہ وہیں مینارِ پاکستان کے سبزہ زار پر ادا کی جائے گی

اس موقع پر

۲۰، ۲۱ اکتوبر (جمعہ، ہفتہ) ۸-۳۰ بجے شب

کُل پاکستان احیاءِ خلافت کانفرنس کا انعقاد بھی عمل میں آئے گا

جس میں پاکستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے منتخب اصحاب علم و دانش

احیاءِ خلافت کی ضرورت و اہمیت اور قیامِ نظامِ خلافت کے طریق کار

کے موضوع پر اظہارِ خیال فرمائیں گے

☆

۲۱، ۲۲ اکتوبر دن کے اوقات میں تنظیم اسلامی کی سالانہ رپورٹ کے علاوہ رفقائے تنظیم کی تقاریر ہوں گی

شرکت کی عام دعوت ہے